"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

ماھنامہ

خالد

ربوہ

ایڈیٹر
عبدالسمیع خان

جنوری ۱۹۸۷ء

"تیری عاجزانہ راہیں اس کو پسند آئیں"

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہوسکتی"

ماہنامہ ربوہ

خالد

صلح ۱۳۶۶ ہش
جنوری ۱۹۸۷ء

جلد ۳۴ — شمارہ ۳

ایڈیٹر
عبدالسمیع خان

نائبین: فضیل عیاض احمد، عبدالقدیر قمر
معاونین: شمشاد احمد قمر، فضل الرحمان

قیمت سالانہ : ۲۵ روپے
" ماہانہ : ۲ روپے ۵۰ پیسے
ممالک بیرون : ۱۵۰ روپے سالانہ

اس شمارہ میں

پبلشر: مبارک احمد خالد پرنٹر: قاضی منیر احمد مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ
مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ رجسٹرڈ: ایل ۵۸۳۰

اداریہ

سچا شکریہ

حضرت رابعہ بصریؒ ایک بزرگ صُوفیہ تھیں۔ تقویٰ اور تعلق باللہ کے میدان میں ان کا مقام بہت اُونچا ہے۔ ان کے متعلق تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک رات وہ بہت دیر تک عبادتِ الٰہی میں مصروف رہیں اور اسی حالت میں صبح ہو گئی۔ فرمانے لگیں خدا تعالیٰ نے رات کو مجھے اس غیر معمولی عبادت کی توفیق دی ہے۔ اس کے شکریہ کے طور پر آج روزہ رکھوں گی۔

امر واقعہ یہ ہے کہ خلوص دل کے سجدوں اور طیّب قُربانیوں میں اتنی لذّت ہوتی ہے کہ صاحب تجربہ انسان بعد میں ملنے والی اخروی جزا اور فرحت و سرور سے صرف نظر کر کے اسی فوری حاصل ہونے والی لذّت میں ڈوب جاتا ہے اور بار بار اسی کی تمنّا کرنے لگتا ہے۔

پس مقبول نیکیوں کی توفیق پا کر خوشی اور مُسرّت کے اظہار اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریق نہیں کہ انسان پہلے سے بڑھ کر حسین اور اعلیٰ نیکیوں کی توفیق مانگے اور بجا لانے کی بھرپور کوشش کرے۔ تقرب الی اللہ کے رستہ میں اپنا قدم مزید آگے بڑھائے۔ کمیّت اور کیفیّت میں بڑھتی ہوئی قُربانیاں کرے! اور زیادہ پاک جذبات اپنے ربّ کے حضور پیش کرے۔ یہ طرزِ عمل نہ صرف شکر و امتنان کی قوتوں کو بڑھا کر مزید افضالِ الٰہی کھینچنے کا موجب ہوتا ہے بلکہ گزشتہ نیکیوں کی قبولیّت کی علامت بھی ہوتا ہے۔

یہی اسوہ اہل اللہ اور الٰہی جماعتوں کا طرّۂ امتیاز ہے۔ پس ہمیں بھی اسی راہ پر قدم مارنا چاہیئے۔ ۱۹۸۶ء میں جماعت کو جس طرح نیکی کے ہر میدان میں آگے قدم بڑھانے کی توفیق ملی تھی اس کا سچّا اور حقیقی شکریہ اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ ۱۹۸۷ء میں ہم اپنی رفتار اور تیز کریں۔ نیکیوں کے نئے نئے جہان تلاش کریں۔ نئی نئی روحانی بلندیوں کو سر کرنے کی کوشش کریں۔

خدا تعالیٰ ہمارے اس عزم اور ولولہ کو قبول فرمائے اور ہمارے اخلاص و وفا میں اتنی مسرتیں بھر دے کہ ہم ان نئی نیکیوں کی توفیق ملنے کے شکریہ میں اللہ سے مزید نیکیاں طلب کریں۔ اور خیر اور نیکی کا لامتناہی سلسلہ جاری ہو جائے۔ جس پر کوئی زوال اور کوئی فنا نہ ہو۔ اور ہر آنے والا دن اسے زیادہ شان اور مضبوطی کے عالم میں دیکھے۔

○

نئے سال کی مُبارک باد کا طریق

سیّدنا حضرت امام جماعتِ احمدیہ کے مُبارک الفاظ ہیں :۔

"عمُومی دستور کے مطابق نئے سال پر مُبارک باد بھی دی جاتی ہے اور جہاں تک کسی کے بس میں ہو تحائف بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ اس لئے اس موقعہ پر میں اس رسم کو دینی رنگ دیتے ہوئے سب سے پہلے احبابِ جماعت کو

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

کا محبّت بھرا تحفہ پیش کرتا ہوں۔ اس دُعا کے ساتھ کہ یہ سال اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے جماعتِ احمدیہ ہی کے لئے نہیں تمام بنی نوع انسان کے لئے بھی پہلے سال سے زیادہ بہتر بنائے۔ اور مصائب، مشکلات اور تکالیف کے جو زمانے ہم نے گزشتہ سال میں دیکھے ان کو اپنے فضل سے اس نئے سال میں ٹال دے اور جن مصیبتوں نے گذشتہ سال میں جنم لیا تھا انہیں آگے بڑھنے سے پہلے ہی ردّ فرما دے اور وہ بے پھل ہو کر رہ جائیں اور جن نیکیوں نے گزشتہ سال میں جنم لیا تھا انہیں بھرپور پھل عطا فرمائے اور بکثرت مثمر بثمرات حسنہ بنائے۔"

(خطبہ جمعہ ۳ جنوری ۸۶ء)

جواہر پارے

سفر دین کی نیت سے کریں

سیدنا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"ایک کتاب میں لکھا ہے کہ جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کو ایک دفعہ خیال آیا کہ سفر کو جائیں۔ پھر سوچا کس واسطے جاؤں تو سمجھ میں نہ آیا کہ کس ارادہ اور نیت سے جانا چاہیئے۔ اس لیے پھر ارادہ ترک کیا حتٰی کہ سفر کا خیال غالب آیا اور آپ جب اسے مغلوب نہ کر سکے تو اس کو ایک تحریک الٰہی خیال کر کے نکل پڑے اور ایک طرف کو چلے۔ آگے جا کر دیکھتے ہیں کہ ایک درخت کے تلے ایک شخص بے دست و پا پڑا ہے۔ اس نے ان کو دیکھتے ہی کہا کہ اے جنید میں کتنی دیر سے تیرا منتظر ہوں تو دیر لگا کر کیوں آیا تب آپ نے کہا کہ اصل میں تیری ہی کشش تھی جو مجھے بار بار مجبور کرتی تھی تو اسی طرح ہر ایک امر میں ایک کشش قضا و قدر میں مقدر ہوتی ہے وہ پوری نہ ہو تو آرام نہیں ہوتا۔ آپ سفر کریں تو دین کی نیت سے کریں۔ دُنیا کی نیت سے جو سفر ہوتا ہے وہ گناہ ہوتا ہے اور انسان تب ہی درست ہوتا ہے کہ ہر ایک بات میں کچھ نہ کچھ اس کا رجوع دین کا ہو۔ ہر ایک مجلس میں اس نیت سے جاوے کہ کچھ پہلو دین کا حاصل ہو۔ حدیث شریف میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے مکان بنوایا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ وہاں تشریف لے چلیں تو آپ کے قدموں سے برکت ہو۔ جب وہاں حضرت گئے تو آپ نے ایک دریچہ دیکھا پوچھا کہ یہ کیوں رکھا ہے اس نے عرض کی کہ ہوا ٹھنڈی آتی رہے آپ نے فرمایا کہ اگر تو یہ نیت کر لیتا کہ اذان کی آواز سنائی دے تو ہوا بھی ٹھنڈی آتی رہتی اور ثواب بھی ملتا۔"

(ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۳۰۶، ۳۰۷)

حضرت امام جماعت احمدیہ کے خطبات کا خلاصہ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عالمی جہاد

خلاصہ خطبہ جمعہ ۲۱ر نومبر ۱۹۸۶ء

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۱۱ و ۱۱۲ کی تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا کہ دنیا میں اس وقت جتنے بھی ایسے مذاہب پائے جاتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ پر ایمان قدر مشترک کے طور پر موجود ہے ان سب کے درمیان دعاوی کی ایک جنگ ہو رہی ہے۔

استدلال کی جنگ کے علاوہ ایک دعاوی کی جنگ بھی ہوتی ہے جس میں ہر فریق یہ اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ میں دوسرے سے بہتر ہوں اور بعض دفعہ مذہب کے اکھاڑے میں یہ آوازیں اتنی بلند ہو جاتی ہیں اور ایک ایسا ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے کہ دلائل کی آواز اگر ہو بھی تو وہ ان بلند آوازوں میں دب کر رہ جاتی ہے۔ اور دنیا کے کانوں کو اس کے سوا کوئی اور شور سنائی نہیں دیتا کہ میں بہتر ہوں۔ میری طرف آؤ۔

حضور نے فرمایا: مذہب کے اس اکھاڑے میں دین حق بھی اس باہمی جدال میں حصہ لے رہا ہے اور اس کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ وہ بہتر ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دین حق کے اس دعویٰ میں اور دوسرے شور میں کیا فرق ہے؟ اس کا تفصیلی جواب دیتے ہوئے حضور نے آیت قرآنی کی روشنی میں بتایا کہ اس آیت کریمہ میں چند ایسی شرطیں بیان ہوئی ہیں جن پر غور کرنے سے سچے اور جھوٹے مذہب میں فرق نمایاں ہو کر سامنے آجاتا ہے اور اس میں اشتباہ کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا۔ مثلاً پہلی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ تم جو دین حق کی طرف منسوب ہوتے ہو اس لئے بہتر نہیں ہو کہ دنیا تمہارے سامنے سر جھکائے اور تمہاری خدمت کرے۔ بلکہ اس لئے بہتر ہو کہ تم دنیا کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ اگر تم میں یہ بنیادی صفت موجود ہے اور تمہارا یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ عملاً تم بنی نوع انسان کی بہبود کے لئے وقف رہتے ہو تو پھر جان لو کہ تم میں بہتری کی ایک بنیادی شرط پوری ہو گئی۔

حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیسی حیرت انگیز اور لطیف شرط بیان فرمائی ہے کہ جس نے بہتر ہونے کے دعاوی میں ایک مابہ الامتیاز پیدا کر دیا ہے جسے ایک متکبر اور جھوٹا آدمی اختیار کر ہی نہیں سکتا کہ تم اس لئے بہتر ہو کہ تم دنیا کی بھلائی کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔

حضور نے فرمایا کہ اس آیت میں دوسری شرط یہ بیان کی گئی ہے کہ تَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

تم نہ صرف خدمت کرتے ہو بلکہ بھلائی کی طرف اور نیکیوں کی طرف بھی بلاتے ہو۔ اور برائیوں سے روکتے ہو۔ یہ تمہارا شعار بن چکا ہے۔ تمہاری فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔

فرمایا: اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ یہاں مذاہب کی تفصیل کا کوئی ذکر نہیں بلکہ ان بنیادی صفات کا ذکر ہے جو تمام بنی نوع انسان میں پائی جانی ضروری ہیں۔ چنانچہ معروف سے مراد نہیں ہے کہ جو قرآن کریم کے احکام ہیں ان کی طرف لوگوں کو بلاتے ہو بلکہ معروف سے مراد یہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان میں خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، جو نیکیوں کا تصوّر خدا تعالیٰ نے فطرت میں رکھ دیا ہے، جو بھلائی کا خاکہ ان کی تعمیر کے اندر داخل کر دیا گیا ہے اور جو انکی تخلیق کے نقشے میں شامل ہے، اس کو معروف کہتے ہیں۔ فطرتِ انسانی میں سموئی ہوئی وہ خوبیاں جو بلا اختلافِ مذہب ہر انسان میں قدرِ مشترک کے طور پر موجود ہیں، وہ معروف کہلاتی ہیں۔

پھر فرمایا: داعین الی اللہ کے لئے اس میں گہرا سبق ہے کہ اگر وہ سوسائٹی کو کسی اعلیٰ مقصد کی طرف اور کسی اعلیٰ پیغام کی طرف بلانا چاہتے ہیں تو اس کا آغاز بنیادی انسانی قدروں سے ہونا چاہیئے۔ حضور نے فرمایا کہ اس بنیادی تعلیم کے باوجود آپکو دکھ ضرور دیا جائیگا خصوصاً ایسے ممالک میں، جہاں بعض طبیعتیں ٹیڑھی ہو چکی ہیں اور انہوں نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ انہوں نے حق کی لازماً مخالفت کرنی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ہماری خاطر یہ کام کر رہے ہو اس لئے ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ وہ ہرگز تمہیں گہرا نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ تمہاری عظمت کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ تمہاری قوت کو وہ کسی قیمت پر بھی کم نہیں کر سکیں گے۔ اجتماعی طور پر خدا تعالیٰ نے جو حشمت عطاء فرمائی ہے وہ اسی طرح قائم رہے گی۔ بلکہ مزید بڑھتی رہے گی اور من حیث الجماعت تم زندہ رہوگے اور زندہ رکھے جاؤ گے۔ بہتر زندگی اور اعلیٰ اقدار کی طرف تمہارا سفر جاری رہے گا۔ تمہیں تمہارے مقاصد میں وہ ناکام نہیں کر سکیں گے۔ اور تمہاری محنتوں کے پھل سے وہ تمہیں محروم نہیں کر سکیں گے۔

اس لئے جماعت احمدیہ کے ہر فرد کو نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کے عالمی جہاد میں حصہ لینا چاہیئے۔ جو خود ہماری اور ہماری نسلوں کی بقاء کے لئے ضروری ہے۔ ہمارے ایمان کی حفاظت کے لئے ضروری ہے۔ اور اس بات کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے کہ دوسری سوسائٹی آپ کے پیغام کے دائرے میں داخل ہو جائے تو تب آپ اس کو نصیحت کریں۔ یہ جہاد انسانی بقاء کے لئے بھی ضروری ہے کیونکہ جس تیزی کے ساتھ دنیا فسق کی طرف بڑھ رہی ہے اس کے نتیجہ میں تو یہ ہلاک ہو جائے گی، اس کے بچنے کا کوئی سوال نہیں رہے گا۔

فرمایا: اس کے علاوہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عالمی جہاد آپ کی دعوت الی اللہ میں کامیابی کے لئے بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر آپ حقیقت میں کامیاب داعی الی اللہ نہیں بن سکتے۔ جہاں تک مخالفوں کا تعلق ہے اگر دنیا والے کہیں کہ آپ سے قرآن چھین لیں گے۔ تو وہ ہرگز نہیں چھین سکیں گے۔ یہ ناممکن ہے۔ یہ جتنی کوشش کریں گے، خدا تعالیٰ اس جماعت کو اتنا ہی زیادہ موقع دے گا کہ وہ دنیا کے کونے کونے میں قرآن اور قرآن کی تعلیم کو پھیلاتی چلی جائے۔ ہمیں ان لوگوں سے کوئی خوف نہیں۔ ہم خدا کے بندے ہیں اور خدا کے مومن بندے ہیں، ہم ہلاکتوں میں سے نئی زندگیاں نچوڑنا جانتے ہیں۔ اس لئے یہ جتنی ہلاکتیں ہمارے لئے تجویز کریں گے۔ اتنا ہی زیادہ ہم زندگی کا رس ان

ہلاکتوں سے بچھڑ رہیں گے۔ اور وہ رس ہمیں مزید زندہ کرتا چلا جائے گا۔

خلاصہ خطبہ جمعہ ۲۸ نومبر ۱۹۸۶ء

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۵۷ کی تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا کہ یہ آیت دین اور جبر کے تعلق پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض لوگ دین میں جبر کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں خواہ وہ محدود رنگ میں ہی کیوں نہ ہو۔ اور بعض لوگ اس آیت کی رو سے دین میں جبر کی ممانعت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ لیکن جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے تو جماعت احمدیہ اس آیت کو اس کے وسیع تر معانی میں کلیۃً تسلیم کرتی ہے۔ اور جتنی وسعت اور گہرائی سے جماعت احمدیہ اس آیت کے مضمون سے واقف و آگاہ ہے اس کا کوئی تصور کہیں اور نظر نہیں آتا۔

آج کے دور میں ہونے والی بحثیں اس دائرے میں محدود ہیں کہ دین میں جبر کی اجازت ہے یا نہیں لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ یہ آیت وسیع تر مضامین سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کا دوسرا پہلو جس کا ذکر جماعت احمدیہ کے لٹریچر سے باہر نہیں ملتا، وہ یہ ہے کہ کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ جبر کے ذریعہ وہ کسی قسم کا دین بھی دنیا میں نافذ کر سکے۔

حضور نے فرمایا کہ اس آیت کا یہ معنی کہ دین میں جبر کے استعمال کی اجازت نہیں درست ہے۔ لیکن یہ ساری سچائی نہیں۔ یہ آیت اس مضمون کو آگے بڑھاتی ہے اور یہ اعلان کرتی ہے کہ دین میں کسی قسم کا جبر ممکن ہی نہیں ہے۔ جبر کا نتیجہ یقیناً ناکامی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور نہ جبر کے ذریعہ اہل دنیا کے دین بدلائے جا سکتے ہیں۔

اس آیت کے مضمون کے مزید دو اور پہلو بھی سامنے آتے ہیں اوّل یہ کہ دین کو جبر کے ذریعہ نافذ کرنا اور دوسرے یہ کہ زبردستی کسی سے دین چھیننا۔ عموماً اوّل الذکر حصہ پر زیادہ بحث کی جاتی ہے لیکن دوسرا پہلو جو زیادہ اہم ہے اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

حضور نے فرمایا کہ ساری انسانی تاریخ قرآن کریم کی اس آیت کی سچائی کی گواہ بن کر کھڑی نظر آتی ہے اور حالاتِ حاضرہ پر جب اس کو منطبق کیا جائے تو انسان کی عصرِ حاضر کی تاریخ بھی بلا استثنا اس آیت کے حق میں گواہی دیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ گزشتہ چودہ صدیوں میں دین کے نفاذ کا یہ طریق ایک موقع پر بھی دکھائی نہیں دے گا کہ بیک وقت دو ارادے لے کر کوئی قوم اٹھی ہو کہ بعض کو زبردستی ایک دین پر عمل پیرا کرایا جائے اور بعض سے ان کا دین چھین لیا جائے ایسا کبھی نہیں ہوا تاہم بعض بادشاہوں کے دور میں زبردستی کسی دین پر عمل کروانے کی جھلکیاں ضرور نظر آتی ہیں لیکن زبردستی کسی دین پر عمل کرنے سے روکنے کی جھلکی صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نظر آتی ہے۔ جب کفار مکہ آنحضورؐ اور آپؐ کے متبعین کو دین پر عمل کرنے سے روک رہے تھے لیکن رسول اللہ اور آپؐ کے متبعین دین کی راہ میں قربانیاں دے رہے تھے۔ اس دن کے بعد آج دنیا نے یہ دَور دوبارہ دیکھا ہے۔ اور جس طرح پہلے یہ منصوبہ ناکام ہوا اب بھی ناکام ہو چکا ہے۔

حضور نے فرمایا کہ اس آیت میں اتنی قوت، اتنی حشمت اور ایسی عظمت و شوکت ہے کہ کوئی قوم ہمالہ سے ٹکرا کر تو بچ سکتی ہے مگر اس آیت سے ٹکرا کر نہیں بچ سکتی۔ یہ ایک ایسی ابدی سچائی ہے جو دنیا کے ہر حصے میں اپنا عمل دکھا رہی ہے اور اس کے عمل کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

اس آیت کے مضامین کی مزید تفسیر کے بعد حضور نے جماعت احمدیہ کو عوام الناس میں حُبّ الوطنی کے جذبہ کو پیدا کرنے اور اسے مزید ترقی دینے کے لئے حتی المقدور کوششیں کرنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ لوگ تو اس ملک کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن آپ ان کوششوں کی راہ میں روک بن جائیں اور حُبّ الوطنی کے گیت گائیں۔ اور ساری قوم کو سمجھائیں کہ ان لوگوں کی بداعمالیوں کے نتیجہ میں اپنے پاؤں پر کلہاڑی کیوں مارتے ہو۔ حب الوطنی کے جذبہ کو زخمی نہ ہونے دو۔ اس لئے جماعت احمدیہ کو یہ جہاد بھی کرنا چاہیئے کہ پاکستان میں حُبّ الوطنی کے احساس کو نمایاں کیا جائے اور بیدار کیا جائے۔ اور ہر قسم کے ایسے خیالات جو پاکستان کو کسی طرح نقصان پہنچا سکتے ہیں ان کے خلاف کوشش کرنا بھی جماعت احمدیہ کا کام ہے۔ حضور نے مزید فرمایا کہ اگر دعائیں اس کوشش کو تقویت دیں تو پھر یقیناً آپ کو کامیابی نصیب ہوگی۔ میں امید رکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ پاکستان کو ہمیشہ سلامت رکھے کیونکہ یہ ملک دین کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور اس لحاظ سے یہ واحد ملک ہے۔ اس لئے اگر اس مقدس نام سے پیار اور محبت ہے تو پھر دنیا کے ہر احمدی کو چاہیئے کہ پاکستان کو نقصان پہنچانے کی ہر کوشش کو ناکام بنا دے۔

حبّ وطن کا تقاضا

اٹھ اور اٹھ کے دکھا زورِ حبِّ ملت کا　　یہ التجا ہے مری پیر اور جواں سے آج

وہ چاہتا ہے کہ ظاہر کرے زمانہ پر　　ہمارے دل کے ارادے اس امتحاں سے آج

خدا ہماری مدد پر ہے جو کہ ہیں مظلوم　　مٹائے گا وہ عدو کو مرے جہاں سے آج

ہمارے نیک ارادوں پہ اس قدر شبہات　　خدا ضرور ہی نپٹے گا بد گماں سے آج

عدو یہ چاہتا ہے ہم کو لامکاں کر دے　　ہمیں بھی آئے گی امداد لامکاں سے آج

دعائیں شعلۂ جوالہ بن کے اتریں گی　　جلا کے رکھ دیں گے اعدا کو ہم فغاں سے آج

انہیں کے نام سے زندہ رہے گا نامِ وطن　　گھروں سے نکلیں گے جو ہاتھ دھو کے جاں سے آج

مشامِ جاں کو معطر کرے گی جو خوشبو　　مہک رہی ہے وہی میرے بوستاں سے آج

(کلام محمود)

شیر ملک مجوکہ۔ کراچی

مرے مقدّر کے زائچے میں لکھا ہے تیرا ہی نام کہنا

صَبا اُدھر سے اگر گذر ہو تو اُن سے میرا پیام کہنا
دیارِ مغرب کے باسیوں کو میرا دعا و سلام کہنا

صَبا سَندیسہ ہے غازیوں کا بصد اَدب احترام کہنا
یہ صبح کہنا یہ شام کہنا یہ خاص کہنا یہ عام کہنا

مریضِ فرقت کہ مرچلا تھا تری توجہ سے جی اُٹھا ہے
جو تُو نے بھیجا تھا چاہتوں کا وہ مل گیا ہے سلام کہنا

بھلا بتائیں گے جوتشی کیا میرے نصیبے کا حال مجھ کو
میرے مقدّر کے زائچے میں لکھا ہے تیرا ہی نام کہنا

جی رہا ہوں تیری ہی خاطر جو مَر گیا تو یہ خاک میری
گذر ہُوا گر اِدھر سے تیرا کرے گی اُٹھ کر سلام کہنا

مَیں اُن سے دَرد و الم کے قِصّے کہہ سکا اور نہ کہہ سکونگا
جو تُو نے دیکھا ہے اِس چمن میں! ہُو بہُو وہ تمام کہنا

جو ہو سکے تو دُعا کے ساغر مری طرف بھی اُچھال دینا
کہ تشنہ لب ہے تمام عالم تمہارے ہاتھوں میں جام کہنا

بدل گئیں ہیں چمن میں اَب تو تمام شرم و حیا کی رسمیں
اُداسیاں ہی اُداسیاں ہیں ہوا ہے جینا حرام کہنا

واہ رے یہ وَفا کی رسمیں! صحنِ دار و رسن بھی دنگ ہے
کہ کتنے منصُور سُولیوں پر سے کہہ رہے ہیں سلام کہنا

قُمریوں کی زبان بند اور چمن میں زاغوں کے قہقہے ہیں
عجیب عالم ہے بے لبسی کا پہ خُوش ہیں تیرے غُلام کہنا

خزاں نے پاؤں جما لئے ہیں بہار کیسی نکھار کیسا
حیات بے کیف کر گیا ہے یہ آمروں کا نظام کہنا

صبا نہ کہنا! کچھ نہ کہنا کہ ان کے دل پر گراں نہ گزرے
ہم فقیروں کو کب ہے آتا شہنشہوں کو سلام کہنا

عبدالخالق ناصر

دلِ بے قرار کی فریاد

آقا چلے بھی آؤ کہ اب انتظار ہے
ہر آنکھ منتظر ہے بہت اشکبار ہے

کیسے بتاؤں کس طرح گذرے ہے زندگی
آقا نہ شب کو چین نہ دن کو قرار ہے

"مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں"
مُشتاقِ دید پھر بھی دلِ بے قرار ہے

منصور وار بیٹھا ہوں تیرے فراق میں
میں ہوں اب اور آپ کی فُرقت کی دار ہے

کھویا گیا ہوں تیری محبّت میں اس قدر
زنداں کا کوئی خوف نہ سُولی سے عار ہے

میرے کریم تیرا کرم بھی ہے بے حساب
میری خطاؤں کا بھی نہ کوئی شمار ہے

آقا ہو اس طرف بھی ذرا چشمِ التفات
ناصر کو ہے یقیں کہ تجھے اس سے پیار ہے

(۲) اسیرانِ راہ مولیٰ

جب اہلِ مدینہ محصور ہو گئے

(شمس الحق انور)

ہجرتِ مدینہ کے بعد حق و صداقت کے مجاہدین کو پُر درد مہمات پیش آئیں اور یہ دورِ ابتلا ایک نرالی شان کے ساتھ وقوع پذیر ہو رہا تھا کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا۔ جس نے شعبِ ابی طالب کی یاد تازہ کر دی اور اسیرانِ راہِ مولیٰ کی کہانیوں میں عشق و وفا سے پُر ایک اور داستان کا اضافہ ہو گیا جس نے اصحابِ رسولؐ کے جذبۂ وفا پر مہمیز کا کام دیا۔ یہ جنگِ خندق کا واقعہ ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ غزوۂ احد کے بعد اسلام دشمن قوتیں ایک بار پھر ابھریں اور نجد سے لیکر دومتہ الجندل تک مسلمانوں کے اثرات زائل ہوتے ہوئے نظر آئے ۴ھ میں جب بنو نضیر مدینہ سے نکل کر خیبر پہنچے تو انہوں نے انتقام لینے کی ٹھانی چنانچہ انکے رؤسا میں سے کنانہ بن ربیع اور حیی بن اخطب قریش سے مذاکرات کے لئے مکہ گئے اور پھر قریش مکہ، غطفان قبائل، بنو اسد، بنو سلیم بنو سعد غرض کہ تمام عالم عرب نے مسلمانوں کی بستی مدینۃ النبیؐ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کر لیا۔

یہ ۵ھ کی داستان ہے جب رسول اللہؐ کو ایک جم غفیر کے آنے کی خبر ہوئی جسکی تعداد بعض روایات کے مطابق ۱۰ سے ۲۴ ہزار تھی تو انہوں نے اس ٹڈی دل کا مقابلہ ایک نئی صورتحال کے تحت کرنے کا فیصلہ کیا اور سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر مدینہ کے شمال میں ایک ۹ ہزار گز لمبی اور ۱۲ سے ۱۵ فٹ گہری خندق کھودی اور محصور ہو کر بیٹھ گئے۔ اور پھر معبودانِ باطلہ کے پیروکاروں نے آکر فرزندانِ توحید کے حوصلوں کو آزمانے کیلئے ایک میدان تشکیل دیدیا۔ وہ ایک ضرب کاری کا فیصلہ کر کے آئے تھے۔ یہودیوں کو اپنا مستقبل تاریک نظر آرہا تھا۔ عیسائی زخم خوردہ تھے۔ ادھر لات و منات کے پجاری انتقام کیلئے بے چین تھے اور ایک طرف مشرک قبائل مظلوم مسلمانوں پر ضرب کاری لگانا چاہتے تھے مگر خدا نے ایک تدبیر کی اور پھر کفر کی طاقتوں کی دھجیاں فضائے آسمان میں بکھر گئیں۔ مگر انجام سے قبل ایک دورِ اسیری بھی تھا۔

ایک چھوٹی سی مملکت مدینہ چاروں طرف سے گھر کر ایک زندان کی شکل اختیار کر گئی۔ خوراک کی انتہائی کمی تھی چند دن کے بعد اجناس ناپید ہونے لگیں۔ فاقوں کا آغاز ہونے لگا اور ادھر خندق کھودنے کا بھی مسئلہ تھا جو کہ روایات کے مطابق مدینہ کے محلوں میں بھی کھودی گئی تھی۔ چنانچہ اصحابِ رسولؐ فاقہ کی حالت میں یہ کام کرتے اور نڈھال ہو کر بعض اوقات گر جاتے۔ آج آسمان کی آنکھ انگشت بدنداں تھی کہ اسلام محصور ہو چکا تھا۔ کوئی بیرونی امداد متوقع نہیں تھی بلکہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مسلمانوں کے بھوکے بچے راتوں کو بلکتے تو قیامت کا سماں نظر آتا تھا۔ اس دور کی روایات بے اختیار رونے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں ایک روز صحابہ خندق کھودنے میں مشغول تھے۔ تین دن سے کھیل اڑ کر منہ میں نہیں گئی تھی اور اس حالت میں وہ نڈھال تھے کہ ایک چٹان حائل ہوئی۔ انہوں نے بہت کوشش کی مگر وہ ان فاقہ زدہ کانپتے ہاتھوں سے نہ ٹوٹ سکی۔ اس اثناء میں رسول اللہؐ

تشریف لائے اور ماجرا پوچھا۔ ان مظلوموں نے اپنی بپتا سنائی اور اپنے پیٹ ننگے کر کے اپنے آقا کو دکھائے جن پر انہوں نے بھوک کی شدتوں کو دبانے کی خاطر پتھر باندھ رکھے تھے۔ آپکی آنکھوں میں موتی لہرائے اور پھر آپؐ نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھایا اور سرفروش یہ دیکھ کر سسک اٹھے۔ وہ مرد حق جس کے قبضۂ قدرت میں دنیا جہان کے اموال ہیں اس اکمل ترین ذات نے اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھ رکھے تھے۔ اللہ اللہ! یہ انتہا تھی رضا و صبر محمدؐ کی کہ دیوانوں میں ایک عزم نو پیدا کر دیا۔ یہ دور گزر چکا ہے مگر وہ لہو رنگ داستانیں آج بھی تاریخ کے آنسوؤں میں زندہ و پائندہ ہیں۔

اور پھر اہل زنداں کے لئے ایک اور ابتلا اس وقت پیش آیا جب یہودیوں کا خبث باطن آشکار ہوا۔ یعنی بنو قریظہ نے ہر معاہدہ کو نظر انداز کرتے ہوئے مسلمانوں کی تباہی کے لئے کوششیں شروع کیں۔ اب جنگ دو محاذوں پر تھی۔ محاصرے کی سختیاں بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ فاقے بڑھنے لگے۔ کئی دفعہ اتنی سخت جنگ ہوئی کہ تاریخ میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ کی چار نمازیں قضا ہو گئیں۔ مظلوم فاقہ زدہ بچے چلاتے تو شعب ابی طالب کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ ایام قید و بند طویل ہو گئے۔ یہ بطل حریت کے تدبر کا کڑا امتحان تھا ہر آن "سقوط مدینہ" کا خطرہ تھا۔ شکست، تباہی کے خطرات ہر آن منڈلا رہے تھے اور شدید ہولناک زلزلہ کا منظر تھا۔

حضرت جابرؓ نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فاقے کی اس شدت میں دیکھا تو تڑپ گئے۔ تاب صبر نہ رہی روتے ہوئے گھر گئے اور بیوی سے کہا کہ کھانے کو کچھ ہے۔ اس نیک بخت نے جواب دیا کہ یہ چند دانے جَو کے ہیں اور بکری کا بچہ ہے اُس عاشق رسولؐ نے اُسے ذبح کیا اور وفا شعار بیوی نے جَو پیس کر روٹیاں بنائیں تو رسول اللہؐ کو خبر ملی۔ آپؐ تشریف لے آئے۔ ساتھ ایک تعداد انصار اور مہاجرین کی تھی۔ جابرؓ شرمندہ ہونے لگے کہ کھانا تو کم ہے مگر یہاں قدرت خداوندی کا ظہور ہوا اور آپؐ تقسیم کرتے گئے اور صحابہ سیر ہوتے رہے اور کھانا بچ رہا۔

اگر داخلی اور خارجی امور کو پیش نظر رکھا جائے تو ہر وقوع پذیر عمل پر فطرت انسانی وجوہات چاہتی ہے اور اکثر اوقات "محرکات" کے ساتھ واقعات کو مربوط کر لیا جاتا ہے۔ مگر مدینہ کا دفاع اپنی ذات میں ایک عظیم معجزہ ہے۔ جب واقعات کو دہرائیں تو کڑی سے کڑی ملتی ہے اور صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ایک غیبی ہاتھ پس پردہ کام کر رہا تھا۔ ورنہ خارج میں تو کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔

اور پھر کئی ہفتوں تک اس دور اسیری کے ساتھ ساتھ عشق و وفا کی داستانیں رقم ہوتی رہیں۔ اور پھر خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ کے نتیجہ میں کفر کی دھجیاں فضائے آسمان میں بکھر گئیں۔ ملائکۃ اللہ گروہ در گروہ نصرت کو پہنچے تو اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ۔ کا الٰہی وعدہ بڑی شان سے پورا ہونے لگا۔ آندھیاں معبودان باطلہ کے پرستاروں کے خیموں کی طنابیں اکھاڑنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ کا سماں بندھ گیا اور اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا۔ کی گونج فضاؤں میں بکھر گئی۔

پستی

(رئیس احمد امروہی)

نہ پوچھو انتشار عالم اسلام کا عالم
الٰہی! کسقدر فکر و نظر میں اپنے پستی ہے۔
کہیں افکار پر جھگڑا، کہیں الفاظ پر جھگڑا
کہیں فرقہ پرستی ہے کہیں فقرہ پرستی ہے۔

(روزنامہ جنگ لاہور ۸ ستمبر ۱۹۸۶ء صـ۳)

مشکلوں کے ریگزاروں میں بھی کملایا نہ تھا

سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کی سیرت کا ایک دلکش پہلو

(مرتبہ:۔ مکرم فہیم احمد صاحب، حافظ آباد)

ہر حال میں مسکرانا اور ہر سو تبسم بکھیرنا آپ کا شیوہ رہا۔

۱۹۵۳ء کے فساد ہوئے تو ایک دن صبح صبح پولیس رتن باغ لاہور (جہاں حضور کا قیام تھا) پہنچ گئی۔ فجر کی نماز کا وقت ہو رہا تھا فرمانے لگے ان سے کہو انتظار کر لیں۔ میں نماز پڑھ کر آیا۔ پولیس کے آنے کی خبر بالکل پُرسکون انداز میں اس طرح سنی جیسے پہلے ہی جانتے تھے خیر پولیس نے تلاشی لی صرف ایک چھوٹا سا پرانا خنجر اسے ملا جو کہ آپ کی بیگم صاحبہ کو جہیز میں ملا تھا اور حضرت نواب محمد علی خان صاحب مرحوم کے آباؤ اجداد کے وقت کا چلا آ رہا تھا اس پر آپ کو لے گئے۔ بڑا کڑا وقت تھا۔ آپ نے کہا میں کپڑے بدل لوں تو چلتا ہوں پولیس والا کمرے کے دروازے پر کھڑا رہا آپ کے پیچھے سب ایک لائن میں کھڑے تھے۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے دل کی عجیب کیفیت تھی آپ ان کے پاس گئے سب کو ملے پھر اپنی بیٹی صاحبزادی امتہ الشکور صاحبہ کے چہرے پر تھپکی دیتے ہوئے بولے "مسکراؤ، مسکراؤ" اے عین کڑے اوقات میں مسکرانے کا درس دینے والے آقا! آپ پر خدا کی بے شمار رحمتیں ہوں۔ ہم یہ سبق تادم آخر نہیں بھولیں گے۔ ہم تو تیرے دیئے ہوئے حوصلے کے بل بوتے پر ساری عمر ہر قسم کے شدائد کا مردانہ وار مقابلہ کریں گے۔

کیا خوب کہا ہے کسی نے آپ کی تعریف میں:۔

وہ عُسر و یُسر میں نُورِ یقیں کا آہنی پیکر
کہاں دیکھے ہیں ایسے شیر نر ابنائے دُنیا نے

جیل کے ایام کا واقعہ ہے کہ ایک دن ناشتہ آیا جو کالے اُبلے ہوئے چنوں (بالوں سے بھی زیادہ سیاہ) کا تھا آپ کے ساتھی قیدی (جو احمدی تھے) محمد بشیر زیروی صاحب نے ان چنوں کی طرف کچھ ترچھی سی نگاہوں سے دیکھا کہ کیا اب ہمیں یہ کھانے ہوں گے حضرت میاں صاحب فوراً آپ کے چہرے کے تاثرات سے ہی آپ کے دل کی کیفیت اور نہ "بھانپ گئے اور فوراً ان کو چادر پہ ہاتھ سے بکھیرنے کے بعد انہیں خود مزے لے کر کھانا شروع کر دیا آپ کھاتے بھی جاتے تھے اور فرماتے بھی جاتے تھے۔

"بشیر صاحب! دیکھئے یہ تو بہت لذیذ ہیں"۔

خوب! کس اچھے طریق سے حوصلہ مندی اور بشاشت کے ساتھ ہر دُکھ جھیلنے کا درس دیا بھلا کس کی مجال تھی جو اب چنے نہ کھاتا۔ بشیر صاحب نے فوراً ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا۔

جیل کے دوران آپ کے ساتھی مکرم محمد بشیر احمد زبیری صاحب نے آپ سے عرض کی کہ چونکہ میری گرفتاری اچانک اور بالکل غیر متوقع تھی اور میرے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتا تھا کہ کبھی میں بھی گرفتار ہو جاؤں گا۔ اس لئے پہلے پہل میں بہت پریشان ہو گیا اور میری بھوک پیاس بالکل ختم ہو گئی۔ لہذا ناشتہ بھی نہ کر پایا۔ مارشل لاء حکام نے گو کھانا دیا بھی مگر ماسوائے ایک کپ چائے کے میں کچھ نہ کھا سکا۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا۔

جب مجھے گرفتاری کی خبر ملی تو میں نے پہلے نہایت ہی اطمینان سے غسل کیا پھر سیر ہو کر ناشتہ کیا کیونکہ ایسے وقتوں میں مجھے خوب بھوک لگتی ہے اس کے بعد کپڑے تبدیل کئے۔ نیز فرمایا۔ میرے جوہر خدا کے فضل سے بحران میں کھلتے ہیں اور میری اندرونی طاقتیں نمایاں ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

آپ کی طبیعت میں بہت حلم تھا ایک مرتبہ کسی قانونی مسئلہ پر غور ہو رہا تھا حضور اسلام آباد میں تھے مکرم مجیب الرحمان صاحب ایڈووکیٹ کو طلب فرمایا اور رات گئے تک مختلف حوالہ جات ملاحظہ فرما کر بعض باتیں مسودہ کے رنگ میں لکھواتے رہے آئندہ روز لاہور سے مکرم مبشر لطیف احمد صاحب اور مکرم مرزا نصیر احمد صاحب جو معاملے کی پیروی کر رہے تھے حاضر ہونے والے تھے ان کے آنے پر دوبارہ مسودہ پر غور ہونا تھا اگلے روز دونوں دوست آگئے حضور نے نماز عصر کے بعد ملاقات کا وقت مقرر فرمایا جب حضور کی خدمت میں حاضری کا وقت قریب آیا تو مجیب صاحب کو دفعتہً خیال آیا کہ رات کو جو کچھ حضور نے مسودہ کے رنگ میں لکھوایا تھا وہ کاغذات میں رکھ کر بھول گئے ہیں سخت پریشانی ہوئی کہ آج نجانے کیا ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور نے آپ کو طلب فرمالیا اور جب یہ تینوں دوست حاضر ہوئے کام شروع ہوا۔ تو حضور نے فرمایا۔

"ہاں کہاں ہیں وہ کاغذات جو رات کو لکھوائے تھے۔"

آپ نے عرض کی کہ وہ تو میں کہیں رکھ کر بھول گیا۔ سب سہمے تھے نہ جانے اب کیا ہو۔ کیسی ڈانٹ پڑے۔ سب کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو لہو نہیں۔ مگر حضور نے صرف اس قدر فرمایا۔

"لاحول ولا قوۃ تین گھنٹے کی محنت ضائع کر دی۔"

پھر اسی بشاشت اور خندہ پیشانی سے دوبارہ لکھوانا شروع کیا۔ اس وقت یا اس کے بعد آپ نے مجیب صاحب پر کسی غصہ یا رنج کا اظہار نہیں فرمایا۔

پروفیسر بشارت الرحمن صاحب ایم۔ اے لکھتے ہیں ہمارے کالج کے زمانہ لاہور کے آخری ایام کا واقعہ ہے کہ صوبہ کے گورنر صاحب نے اسلامیہ کالج لاہور کی ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ سابق ڈی اے وی کالج کی عمارت ٹی آئی کالج سے واپس لے کر اسلامیہ کالج لاہور کو دیدی جائے گی کیونکہ اسلامیہ کالج کی ضرورت بہت ہی اہم ہے ٹی آئی کالج کے لئے کسی اور جگہ کا انتظام کیا جائیگا خاکسار نے جب یہ خبر سنی تو سخت گھبراہٹ وارد ہوئی کہ اب کیا ہوگا؟ ہم کہاں جائیں سائیکل لیا اور فوراً جناب پرنسپل صاحب کو یہ خبر سنانے مغرب سے ذرا قبل رتن باغ پہنچا حضور کو اندر سے بلاکر نہایت گھبراہٹ کے عالم میں بھرائی ہوئی آواز میں یہ اندوہناک خبر سنائی اس پر حضرت صاحب (پرنسپل صاحب) مسکرائے اور فرمانے لگے۔

صوفی صاحب! کالج کا پرنسپل میں ہوں یا آپ ہیں اگر گھبرانے کی بات ہے تو گھبرانا مجھے چاہیئے کیونکہ کالج کے انتظامات کا میں ذمہ دار ہوں نہ کہ آپ۔

آپ اس طرح کیوں گھبرا رہے ہیں اچھا تو آپ یہ

بتائیں کہ کیا آپ کو یقین ہے کہ ہمارے کالج کا لاہور ہی میں رہنا جماعت احمدیہ کے مفاد میں ہے۔ شاید یہ امر ہمارے کالج کے ربوہ جانے کا سامان ہی ہو مت گھبرائیں۔

محترم صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ امّی کی وفات کے چند گھنٹے بعد آپ کی نظر مجھ پر پڑی تو دیکھا کہ میں رو رہا تھا۔ بڑے پیار سے قریب بُلایا اور فرمایا رونا نہیں اس کی رضا پر راضی ہو جاؤ تم اس وقت نہیں روئے جب تین سال کے تھے اور تمہارے سامنے مجھے گرفتار کر کے لے گئے تھے اور آج جب ہوشمند ہو حوصلہ والی عمر میں ہو تو رو رہے ہو۔ گویا نہ خود روئے اور نہ رونے دیا۔

آپ کی بیٹی محترمہ امتہ الشکور صاحبہ کا پہلوٹھی کا بچہ پیدائش کے وقت ہی فوت ہو گیا تھا جب نرسیں آپ کو آپ کے کمرے کی طرف لے جا رہی تھیں تو حضور کی آنکھوں میں دُکھ کے آثار تھے مگر چہرے سے مُسکراہٹ عیاں تھی۔ آپ ابّا کو دیکھ کر ہنس دیں۔ جسے دیکھ کر حضور کی مُسکراہٹ گہری ہو گئی اور آنکھوں سے پیار اور اطمینان جھلکنے لگا۔ آپ بیٹی کے پاس پلنگ پر بیٹھ گئے اور بازو کو سہلاتے بھی جاتے تھے اور باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔

"تمہارا بیٹا بہت پیارا تھا۔ اتنا خوبصورت بچہ میں نے کبھی نہیں دیکھا اس کے پاؤں بالکل تمہارے جیسے تھے تمہیں پتہ ہے ڈاکٹر سمیع صاحب بچے کا افسوس بھی کر رہے تھے اور مجھے مبارک باد بھی دے رہے تھے وہ کہہ رہے تھے آپ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ آپ کی بچی بڑی شیر دل ہے"۔

ایسی باتیں کر کے اپنی بیٹی کے دل میں ایک نئی روح پھونک دی اور فرمایا۔

"میری بیٹی بڑی صبر والی ہے"۔

صاحبزادی امتہ الباسط صاحبہ لکھتی ہیں کہ آخری دن میں اور شکری دونوں حضور کے پاس بیٹھیں تھیں ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا بھائی جان کی نظر پڑ گئی تو مُسکرانے لگے۔ بعد میں کسی کو حضور بتانے لگے کہ

"میرا دل ڈوب رہا ہوتا ہے مگر اس خیال سے ہنستا ہوں کہ تم لوگ پریشان نہ ہو جاؤ"۔

یہی وجہ ہے کہ

صاحبزادی امتہ الباسط صاحبہ سے ایمسٹرڈم میں ایک عورت کہنے لگی مجھے بتاؤ کہ جب وہ (یعنی حضور) فوت ہوئے تھے تو مسکرا رہے تھے؟ آپ نے کہا ہاں وہ مُسکرا رہے تھے۔ وہ برملا کہنے لگی جب لوگوں نے مجھے ان کی وفات کا بتایا تھا تو مجھے یقین تھا کہ وہ مُسکراتے ہوئے ہی رخصت ہوں گے کیونکہ میں نے ان کو ہمیشہ مُسکراتے ہوئے ہی دیکھا ہے۔

آپ بانی سلسلہ احمدیہ کے اس شعر کی عملی تصویر تھے۔

"گالیاں سن کر دُعا دو پا کے دُکھ آرام دو"

جماعت پر جتنے مصائب اور تکالیف آئیں آپ اس میں مُسکراتے رہے کمال ضبط اور حوصلے کا مظاہرہ فرمایا۔ ایک صاحب نے ایک دفعہ عرض کی کہ حضور ربوہ میں فلاں جگہ بڑی سخت کلامی ہوئی ہے یہ میری برداشت سے باہر ہے تو فرمایا

"مجھے تو اپنے جذبات پر قابو ہے۔ اگر آپ کو نہیں تو فوراً ربوہ چھوڑ کر چلے جائیں"۔

آپ تو حلم اور بُردباری کے پیکرِ عظیم تھے۔ آپ بڑے جلال میں فرماتے ہیں۔

"ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ وہ (خدا) ہمیں ہر حال میں اپنا باوفا، راضی برضا اور راضی بقضاء پائے گا۔ وہ ہر آدمی کو ایسا پائے گا۔ مال لُٹ جائیں۔ جانیں چلی جائیں اور بظاہر تلخی کی زندگی ہو گی مگر پھر بھی نہ ہمارے چہروں کی

مسکراہٹیں چھینی جا سکتی ہیں نہ ہمارے دلوں کا اطمینان چھینا جا سکتا ہے اس لئے کہ ہمارے دلوں کے اطمینان کا منبع اور سر چشمہ کوئی دُنیوی طاقت نہیں بلکہ ہمارے خدا کی ذات ہے۔"

(جلسہ سالانہ کی دُعائیں صفحہ ۹۱)

آپ آخری بیماری میں ایک دن فرمانے لگے۔

کہ میں نے ہمیشہ ہر غم کو اپنی مُسکراہٹوں میں چھپائے رکھا۔ اور دیکھنے والے یہ سمجھتے رہے کہ مجھے کبھی کوئی تکلیف یا غم نہیں پہنچا لیکن اگر کوئی میرا دل چیر کر دیکھے تو اسے اندازہ ہوگا کہ میں نے کتنے غم اُٹھائے ہیں اور ان غموں کا سلسلہ ۷۳ سال پر محیط ہے لیکن خدا تعالیٰ نے جو انعامات بارش کے قطروں کی طرح ہمیشہ مجھ پر نازل فرمائے ان کا سلسلہ بھی ۷۳ سالوں پر پھیلا ہوا ہے اور یہ بھی وہی شخص دیکھ سکتا ہے۔ جو میرا دل چیر کر دیکھے۔

آپ نے بارہا اعلان کیا تھا کہ کسی ماں نے وہ بچہ نہیں جنا جو ہماری مُسکراہٹیں چھین سکے اور واقعی آخری لمحے تک آپ کی دل موہ لینے والی مُسکراہٹ قائم رہی۔ آپ دل کے بہت نرم اور درد مند تھے۔ آپ کی آنکھیں یقیناً آنسو بہاتی تھیں مگر انسانوں کے سامنے نہیں بلکہ اپنے ربّ کے حضور چھلکتی تھیں۔ دیکھنے والوں کو تو آپ کا تبسم آفریں چہرہ زندگی کے مژدے سُناتا رہا۔ اور آپ کی راتیں آپ کی جماعت کے لئے روشن دنوں کا پیغام لاتی رہیں۔ اس کی رُوح اپنے ربّ کے حضور آج بھی خوش ہوگی۔ کاش ہم اس دُنیا میں بھی آپ کا پُر مُسرّت نورانی چہرہ دیکھ سکیں۔ جو پہلے سے سینکڑوں گُنا زیادہ تابناک اور درخشاں ہوگا۔

ہماری تمنّا

سیّدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"اے ہمارے ربّ! تو نے (دینِ حق) کے آخری غلبہ کی اور حضرت محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت دُنیا کے ہر دل میں پیدا ہو جانے کی اور توحیدِ حقیقی کا جھنڈا ہر گھر میں لہرانے کی جو بشارتیں دی ہیں اے ہمارے ربِّ کریم! تو اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا کر کہ یہ بشارتیں ہماری زندگیوں ہی میں پُوری ہو جائیں تاکہ جب ہم اس دُنیا سے رُخصت ہوں تو ہمارے دل اس خوشی سے معمور ہوں کہ جو فرض ہمارے کمزور کندھوں پر عائد کیا گیا تھا اس کو ہم نے تیری ہی توفیق سے اے ہمارے مولیٰ! اور تیری رضا کے مطابق ادا کر دیا ہے۔ اے خُدا تو ایسا ہی کر۔" (جلسہ سالانہ کی دُعائیں)

حاصلِ مطالعہ

زوالِ یورپ کے نمایاں آثار

محمد نواز

مغربی تہذیب قریب الاختتام ہے' بلکہ جرمن فلاسفر سپنگلر کے بقول نزع کے عالم میں ہے۔ براعظم یورپ' جو اب تک طاقتور ترین براعظم تھا۔ اب تیزی سے مائل بہ زوال ہے۔ معاشی بدحالی اور سیاسی بیماریوں نے اسے تیزی سے نیم جاں کرنا شروع کر دیا ہے۔ جنگِ عظیم دوئم کے بعد تیس سال تک یورپ کا معاشی ڈھانچہ اس معجزنما طور پر ترقی پذیر رہا کہ دنیا کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ مارشل پلان کے تحت مالی امداد نے یورپ کی تاراج شدہ صنعتوں کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کیلئے بڑی فیاضی سے مدد کی۔ اس حیران کن ترقی نے بڑے بڑے فلاسفروں کو مغالطے میں مبتلا کر دیا۔ پروفیسر ٹوئین بی نے کہا کہ مغربی تہذیب کو مرتے مرتے بھی دو سو سال لگ سکتے ہیں۔ چند ایک دوسرے مغربی مفکروں نے بھی اسکی تائید کی مگر سپنگلر نے ان سب سے اختلاف کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس دیئے کی لَو کی شوخی سے مغالطہ نہ کھاؤ یہ تو چراغ کے گل ہونے سے پہلے کی آخری بھڑک ہے' اس لئے غیر معمولی طور پر روشن ہے۔

یہ بات ٹھیک ثابت ہوئی ۱۹۷۵ء سے جو اس غبارے سے ہوا خارج ہونی شروع ہوئی تو دیکھتے ہی دیکھتے دس برس میں یورپ کا حلیہ ہی بدل گیا۔ اور اب تو یوں دکھائی دیتا ہے جیسے سائنس' ٹیکنالوجی اور فن تجارت' ہمیشہ کیلئے یورپ سے امریکہ اور جاپان کو منتقل ہو گیا ہے۔ مغرب کے حکما مشرقی اقوام کی پسماندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے سرِفہرست آبادی کی اکثریت اور شرح پیدائش میں تیز رفتاری کو گنواتے تھے۔ قدرت کی نیرنگیاں دیکھیئے کہ کم شرح پیدائش' جس پر اہلِ مغرب بڑا اتراتے تھے۔ وہی چیز ان کیلئے ایک تکلیف دہ مسئلہ بن گئی ہے۔ یورپ کی آبادی دن بدن کم ہو رہی ہے۔ ۱۹۶۰ء میں یورپ کی آبادی دنیا کی آبادی کا پندرہ فیصد تھی۔ جو کم ہوتے ہوتے ۱۹۸۴ء میں پانچ فیصد پر آ گئی ہے۔ اس حساب سے نصف صدی تک یورپی نسل ہی معدوم ہو جائیگی۔

تیزی سے گرتی ہوئی معاشی حالت کو سنبھالا دینے کیلئے یورپی ملکوں نے ایک کامن مارکیٹ بنائی تھی۔ اس سے کچھ فائدہ تو ہوا کہ مالی خسارے کی رفتار کچھ کم ہوئی مگر ۱۹۸۴ء کے آخر تک خسارہ ۸۰۰ ملین ڈالر تھا جو روز بروز بڑھ رہا ہے اور اس کے کم ہونے کے کوئی آثار نہیں۔ اسی طرح صنعت تیزی سے رو بہ زوال ہے۔ آئے دن مالی خسارے کی وجہ سے کارخانے بند ہو رہے ہیں۔ بیروزگاری بڑھ رہی ہے۔ اس وقت تقریباً ۲۰ ملین باشندے بے روزگار ہیں۔ مزدوروں کی اجرت آسمان کو چھو رہی ہے۔ مزدوروں کے کام کرنے کی لگن بھی بے حد زنگ آلود ہو رہی ہے۔ مزدوروں کو پیداوار بڑھانے سے زیادہ اپنے بہبود کے کاموں سے دلچسپی ہے۔ بہبود کے پروگرام بروئے عمل لانے کیلئے آمدنی کی کمی کے پیش نظر ان پر عمل جاری رکھنا دشوار ہو رہا ہے۔

اپنی آزادی کے تحفظ کے لئے ایک عام یورپی باشندے کی رائے یہ ہے کہ چونکہ جدید ہتھیار بہت مہنگے ہیں' اور وہ خود ان کو حاصل کرنے کی سکت نہیں رکھتے' لہٰذا ان کے بچاؤ کا فریضہ امریکہ کو ادا کرنا چاہیئے۔ جرمنی کو کبھی پورے یورپ کا صنعتی دیو

مانا جاتا تھا۔ جنگِ عظیم دوئم تک تو یہ حالت تھی کہ پورا یورپ اسکی طاقت کے سامنے لرزہ براندام رہتا تھا۔ خاص طور پر فرانس اور برطانیہ۔ فرانس تو اس سے اپنے بچاؤ کے لئے میجنولائن جیسے عظیم حفاظتی بند باندھتا رہتا تھا۔ اب یہ حال ہے کہ یورپ جرمنی پر نظریں لگائے بیٹھا ہے کہ شاید جرمنی کی صنعتی راہ سے کوئی چنگاری اٹھ کر گزشتہ صنعتی خوش حالی کا دور واپس لاسکے۔ مگر خوش حالی کی لکشمی جو روٹھ کر امریکہ اور جاپان کی طرف پرواز کر گئی ہے اُسے اپنے اوپر دوبارہ مہربان ہونے کے لئے آمادہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔

کچھ ایسا ہی حال برطانوی مزدوروں کا بھی ہے۔ برطانیہ کا مزدور محنت، لگن اور فرض شناسی کے لئے دنیا بھر میں شہرت رکھتا تھا۔ اپنے کارخانے اور اپنے وطن کے لئے وہ بڑی سے بڑی قربانی کو باعث فخر خیال کرتا تھا۔ اب یہ حال ہے کہ کارخانے کی پیداوار بڑھانے سے کہیں زیادہ اسے اپنی بہبود کے پروگراموں سے دلچسپی ہے۔ اب وہ کام سے جی چراتا ہے اور بڑے فخر سے بیکاری کا الاؤنس کھاتا ہے۔ بلجیئم کے مزدوروں کا پندرہ فیصد کام پر نہیں جاتا۔ وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ کسی ذاتی نفسیاتی مسئلے کی وجہ سے کام پر جانے کو طبیعت نہیں مانتی۔ لطف کی بات یہ کہ ملک کا قانون اسے قبول کرتا ہے اور مرض کی خود تشخیصی کی اجازت بھی دیتا ہے۔

یورپ کے ملکوں میں ایک دوڑ ہے کہ کون ملک کس قدر ایک ویلفیئر سٹیٹ ہے۔ ذرائع ہوں نہ ہوں اپنے مزدوروں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں بڑھ چڑھ کر مراعات دینا لازمی ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں پہل برطانیہ نے کی تھی۔ لہٰذا مالی طور پر سب سے زیادہ مفلوک الحال بھی وہی ہے۔ جلد ہی بقیہ یورپی ملکوں میں بھی یہ نوبت آنے والی ہے۔ مفت خوری کا کام چوری، ہڑتالیں، گھیراؤ جلاؤ، مزدوروں کی "سرخ جنت" سے غیر سوشلسٹ ممالک کے مزدوروں کے لئے ایک تحفہ ہے۔ اپنے مزدوروں کو تو ہڑتال کرنے کے حق سے سوشلسٹ ممالک نے محروم کر رکھا ہے۔ یہ کہہ کر کہ ان کی حکومتیں تو مزدوروں کی اپنی حکومتیں ہیں، یہاں ہڑتال وغیرہ کا کوئی جواز نہیں۔ یہ نسخہ صرف غیر سوشلسٹ ممالک کے لئے ہے۔ مگر جو کسی کے لئے گڑھا کھودتا ہے۔ ایک نہ ایک دن خود اس میں ضرور گرتا ہے۔ روس میں اپنی مرضی سے کام چننے کی بجائے اکثر و بیشتر، مزدوروں، کسانوں بلکہ سائنس دانوں تک کو کام حکومت کی طرف سے تفویض ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ بھی یہ کام بیگار سمجھ کر کرتے ہیں، لہٰذا پیداوار کے ٹارگٹ بھی ہمیشہ ادھورے ہی رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پورا یورپ زوال کے چکر میں پھنس گیا ہے۔

جرمنی جو یورپ کی صنعتی طاقت کا ایک لوکوموٹو انجن شمار ہوتا تھا، تھک ہار کر ٹھنڈا پڑ گیا۔ اور سنجیدگی سے سوچنے لگا کہ کیوں نہ مشرق و مغرب (روس امریکہ) کی چپقلش سے کنارہ کشی اختیار کر کے ناوابستگی اختیار کر لی جائے۔ مگر اس طرح جان بچانا آسان ہوتا تو دنیا کے کئی اور ملکوں نے بھی یہی راستہ اختیار کر لیا ہوتا۔ فرانس کے سوشلسٹوں نے صدر متراں کے اقتدار میں آنے کے بعد ایک سال تک سوشلزم کے نئے نئے تجربے کئے اپنی معیشت کو خوش حال بنانے کے لئے ری فلیشن کے چکر چلائے جو سب ناکام ثابت ہوئے۔ آخر تھک ہار گئے اور مزید تجربوں سے توبہ کر لی۔

سخت مجبوری کے عالم میں یورپی ملکوں نے کفایت شعاری کی بساط بچھائی۔ مغربی جرمنی نے یونیورسٹیوں کے وظائف اور زچگی کے الاؤنس بے انتہا کم کر دیئے۔ برطانیہ نے چھ لاکھ سول ملازمتیں منسوخ کر دیں۔ کٹر سوشلسٹوں کے دماغ بھی ٹھکانے

آنے لگے سپین کی حکومت نے تجویز کیا کہ پنشن کی رقم جو پہلے تنخواہ کا ۹۰ فیصد ہوتی تھی کم کر کے ۷۵ فیصد کر دی جائے۔ اٹلی نے اپنے کیمیونسٹوں کے دباؤ میں آنے سے انکار کر دیا اور فیصلہ کیا کہ تنخواہوں میں بڑھوتی جو افراط زر کی شرح کے ساتھ خود بخود ہوتی تھی اب خود بخود کی بجائے حکومت کے ذرائع کے مطابق ہوگی۔ کئی سالوں سے یورپی اقوام اخراجات کے میدان میں اندھا دھند دوڑ لگائے ہوئے تھیں۔ اخراجات ملکی آمدنی سے ۲۵ فیصد زیادہ تھیں۔ الاؤنس اور سوشل اخراجات بھی آمدنی سے کہیں زیادہ تھے کوئی ملک اپنی چادر کے اندر نہ تھا۔ صرف ایک دھن سوار تھی کہ ہم کو کوئی پسماندہ نہ سمجھے۔ ترقی پسندی کے جنون میں انہوں نے اپنی چادروں سے باہر پاؤں پھیلائے تھے اب ایک جھٹکے کے ساتھ بیدار ہوئے ہیں اور اپنے مالی گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کی تیاری میں ہیں۔

کفایت شعاری کی مہم کے نتیجے میں ۱۹۷۰ء میں یورپین کامن مارکیٹ کی جی این پی ۷ فیصد بڑھی جبکہ امریکہ اور جاپان کی بالترتیب ۱۲ فیصد اور ۲۰ فیصد بڑھی اس کا اثر سیاست اور پبلک پالیسیوں پر بھی پڑا اور یورپی لوگوں کی خود اعتمادی بھی بے حد مجروح ہوئی۔ جولائی ۸۴ء میں کئے گئے ایک گیلپ پول میں ایک بڑی اکثریت نے یہ اظہار کیا کہ اکیسویں صدی میں امریکہ چین اور جاپان یورپ سے بہت آگے ہوں گے۔

صرف ایک میدان میں یورپ کا کچھ بھرم قائم ہے اور وہ ہے ریسرچ فیلڈ۔ سرامکس (CERAMICS) میں جرمنی اور اٹلی کمیونیکیشن کے فیلڈ میں چند یورپی ملک اب بھی لیڈ کر رہے ہیں۔ ہائی ٹیکنالوجی میں بہت ہاتھ پاؤں مار کر یورپ اب بدم ہو گیا ہے۔ اور اس نے امریکی اور جاپانی ٹیکنالوجی کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ بین الاقوامی صورت حال یہ ہے کہ روس کو معلوم ہے کہ تمام یورپی اقوام سخت سہمی ہوئی ہیں لہٰذا آئے دن دھمکیاں دیتا رہتا ہے کہ خیریت درکار ہے تو امریکہ سے الگ ہو جاؤ۔ یورپی ملک سراسیمگی کے عالم میں کبھی امریکہ کو دہائی دیتے ہیں کبھی روس کی خوشامد کرتے ہیں۔

عروج و زوال قانون قدرت ہے۔ یورپی اقوام جنہوں نے کبھی پورے ایشیا اور افریقہ کو اپنی نوآبادیاں بنا رکھا تھا، جن کا طنطنہ کبھی آسمان پر تھا اب اس قدر خوف زدہ ہیں کہ ان کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں۔

(بحوالہ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲ نومبر ۸۶ء صفحہ ۳)

ایک پیشگوئی کا ظہور

حضرت مصلح موعود نے ۲۵ اپریل ۱۹۴۳ء کو مجلس مشاورت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں نے پہلے بھی بارہا کہا ہے اور اب پھر زور سے کہتا ہوں کہ دنیا میں مغربیت نے کافی حکومت کر لی اب خدا تعالیٰ کا منشاء ہے کہ وہ مغربیت کو کچل کر رکھ دے ...... ابھی تم میں سے کئی لوگ زندہ ہوں گے کہ تم مغربیت کے در و دیوار اور اسکی چھتوں کو گرتا ہوا دیکھو گے اور مغربیت کے ان کھنڈرات پر (احمدیت) کے محلات کی نئی تعمیر مشاہدہ کرو گے۔ یہ کسی انسان کی باتیں نہیں بلکہ زمین و آسمان کے خدا کا فیصلہ ہے۔ اور کوئی نہیں جو اس فیصلہ کو بدل سکے۔"

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۵)

آج کی تحریر!

مجرم

(محمد یٰسین پاشا لاہور)

میری آج کی تحریر اُن بے زبان جانوروں اور معصوم پرندوں کے نام ہے جن پر انسان جانوروں کی طرح ظلم کرتے ہیں۔ کبھی اپنی سائنس کا لیبل لگا کر نت نئے تجربے کرنے لگتے ہیں اور حشرات الارض تک کو نہیں چھوڑتے، کبھی اپنے شوق کی تکمیل کے لئے معصوم پرندوں کے پر کاٹ کر انہیں ہمیشہ کے لئے آزادی سے محروم کر ڈالتے ہیں۔ کبھی بے وجہ شکار کرتے ہیں کبھی ان کو آپس میں لڑاتے اور ان پر شرطیں لگاتے ہیں انہیں غرض اپنی خواہش کی تکمیل سے ہوتی ہے خواہ وہ دولت کی ہو یا ان کی دوسری ذاتی اغراض کی۔

کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ ان کو بھی جینے کا حق ہے، ان کے بھی جذبات ہیں۔ ارمان ہیں، احساسات ہیں انہیں جب کوئی زخم لگتا ہے تو بالکل انسانوں کی طرح انہیں بھی درد ہوتا ہے۔ ان بے چاروں کو نہ تو کوئی علاج میسر آسکتا ہے نہ مسیحا۔ ہاں البتہ وہ جانور یا پرندے لاکھوں میں چند ایک ہوتے ہیں۔ جو ہسپتالوں میں مرہم کے لئے لے جائے جاتے ہیں کیونکہ وہ پالتو ہوتے ہیں۔ مگر وہ جو پالتو نہیں ہوتے اور اکثر بیمار ہو جاتے ہیں یا زخمی ہو جاتے ہیں تو سوچئے کہ وہ کسطرح دن رات گزارتے ہوں گے۔ کس طرح کھاتے ہوں گے، کیا کھاتے ہوں گے، کہاں سے کھاتے ہوں گے۔ اُن کے لئے تو چلنا پھرنا اور حرکت کرنا بھی مشکل ہوتا ہوگا۔ مگر یہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے یہ جب چلتا ہے تو خواہ پیدل ہو یا گاڑی میں یا سواری پر، اپنا راستہ نہیں بدلیگا بلکہ اس کی ہستی اور وجود سے بے خبر اور بے پرواہ اپنی دھن میں چلتا چلا جائیگا اور آخر اس غریب بے زبان ہی کو راستے سے اٹھنا پڑے گا اور اگر نہیں ہٹے گا تو کوئی پتھر اسکے زخمی وجود کو اور تڑپا کر رکھ دیگا اور وہ چلاتا ہوا لنگڑاتا ہوا ناچار وہاں سے اُٹھ جائیگا۔

انسانیت بھی تو ہزاروں میں سے کسی ایک کے پاس ہوتی ہے۔ کاش ان بے زبانوں کی تکلیف، اذیت اور بے بسی کا احساس کیا جائے تو انسان نہ صرف آنسو ہی بہائے اسکو پتھر مارنے کی بجائے اپنا راستہ تبدیل کر کے گزر جائے بلکہ ہو سکے تو اسکی مرہم پٹی بھی کر دے۔

آہ! وہ چیونٹیاں جو ہمارے قدموں تلے مسلی جاتی ہیں کیا ان میں زندگی نہیں؟ کیا انہیں جینے کا حق نہیں؟ اگر وہ زندگی رکھتی ہیں اور انہیں بھی جینے کا برابر کا حق ہے تو پھر ہم کیوں اس قدر تن کر چلتے ہیں کہ ہمارے قدموں میں ہزاروں زندگیاں ہماری غفلت کا شکار ہو جاتی ہیں۔ دین جو یہ کہتا ہے کہ تن کر غرور سے نہ چلا کرو تو اس میں کیا فلسفہ ہے؟

ماضی میں کیا ہوتا رہا مجھے نہیں پتہ کل کیا ہوگا مجھے اس سے بھی غرض نہیں۔ مگر جو کچھ آج ہو رہا ہے اور جو غلط ہے۔ تب اگر میرے پاس ضمیر بھی ہے اور انسانیت کا مادہ بھی لیکن پھر بھی مَیں کھلی آنکھوں سے دیکھوں اور خاموش رہوں تو کیا مَیں مجرم نہیں؟

مسمریزم۔ علمِ توجّہ اور نفسیاتی تجزیّہ

ایک مختصر تعارف

(مکرّم ڈاکٹر سیّد ظہور احمد شاہ صاحب)

مسمریزم

یہ اصطلاح تقریباً دو صدی پُرانی ہے اور آسٹریا کے ایک طبیب مسمر (MESMER) کی طرف منسوب ہے لیکن آج کل یہ متروک ہوتی جا رہی ہے۔ اور اس کی جگہ ہپناٹزم نے لے لی ہے۔ فی زمانہ لوگ اِس مشق کو روحانی علم بتاتے ہیں لیکن روحانیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے مسمریزم میں مسمر کا دخل صرف اس قدر ہے کہ اس نے اس کی ماہیّت کی طرف توجہ دلائی اور وہ اس طرح کہ بڑی تعداد میں ایسے امراض کی علامات جن کو آج کل نفسیاتی یا اعصابی حالت قرار دیا جاتا ہے۔ کو کسی تحریک یا توجہ دلانے سے دُور کیا جا سکتا ہے خواہ وہ آرام عارضی ہی ہو۔ مسمر بذاتِ خود اس طریقۂ علاج پر جس کو حیوانی کشش کہا جاتا ہے۔ بھروسہ کرتا تھا کیونکہ اس کے متعلق فرض کیا جاتا ہے کہ یہ ایک زبردست طاقت ہے جو زندہ جسم سے خارج ہوتی ہے اور جسے ایک ماہر یا مشّاق ہی قبضہ میں رکھ سکتا ہے۔ اس طریقۂ علاج میں وہ جادوگری یا جادو کی چھڑی کام میں لاتا تھا اور اسے ایک بڑا حربہ خیال کرتا تھا اور ایک قابلِ ستائش طاقت یقین کر کے بہت سے لاعلاج کہلانے والے امراض جن کی تہہ میں کوئی خاص ذہنی پریشانی ہوتی تھی عجیب طور پر دور کر دیتا تھا۔ ان امراض میں اعصابی اندھاپن۔ بہرہ پن اور جلدی امراض مثلاً کھجلی وغیرہ شامل ہیں۔ مسمر دراصل تین چوتھائی یا نیم حکیم سا طبیب تھا اس لئے اس نے اس امر پر گہری توجہ نہیں کی۔ کہ اس کی کامیابی کا اصل راز کیا ہے۔

ہپناٹزم یا علمِ توجّہ

اگرچہ یہ عمل آج بھی عموماً ناقابلِ فہم سا ہے لیکن بالکل صحیح۔ عجیب وغریب اور انوکھا مظہر ہے۔ علاج کے علاوہ اِسے عمل جرّاحی میں بھی کام میں لایا جاتا ہے اور آپریشن سے پہلے مریض کو یقین دلایا جاتا تھا کہ اسے آپریشن میں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ علمِ توجہ میں مزید ترقی ہو سکتی تھی لیکن عمل جراحی کے لئے نہایت زود اثر خواب آور ادویات مثلاً ایتھر اور نائٹرس آکسائیڈ وغیرہ کی دریافت نے اس میں روک پیدا کر دی۔

سب سے پہلا شخص جس نے باقاعدہ سائنسی طریقہ سے مرض اختناقِ الرحم یا ہسٹیریا کے علاج میں کوشش کی وہ لائی بالٹ تھا۔ اُسے اور اس کے ساتھی برنہم کو یقین تھا کہ:۔

(ا) یہ مرض ذہنی تحریک خصوصاً مریض خود اپنی تحریک سے پیدا کرتا ہے۔

(ب) ذہنی تحریک کی خصوصیت کم وبیش ہر شخص میں پائی جاتی ہے۔

یہ دونوں اخذ کردہ نتائج درست بتلائے جاتے ہیں لیکن

بعد میں فرائیڈ نے اِن سے اختلاف کیا اور بتایا کہ یہ نتائج حقیقت سے دُور ہیں۔

مرض اختناق الرحم یا ہسٹیریا کے متعلق آج کل کا طبّی نقطۂ نظر یہ ہے کہ مریض کو اس کی علامات سے پریشانی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ خود ان میں مبتلا رہنا چاہتا ہے مثلاً اعصابی فالج کا مریض فالج زدہ اندھے پن کا مریض بے بصر اور بہرے پن کا مریض بہرہ رہنا پسند کرتا ہے۔ گو وہ اکثر اپنے مطلب کی بات سُن لیتا ہے وغیرہ

اس قسم کے نفسیاتی امراض ناکامی یا ناکامی کے خوف سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً ایک طالب علم جس کی اعلیٰ کامیابی کے متعلق سب لوگ اُمید رکھتے ہیں اس خوف سے کہ وہ فیل نہ ہو جائے یا معیار پر پُورا نہ اُترے۔ اعصابی شکستگی یا نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہو جاتا ہے یا وہ لڑکی جس کی خواہش شادی کرنے کی ہوتی ہے لیکن والدہ کی مسلسل علالت کی وجہ سے تیمارداری پر مجبور ہے اور شادی نہیں کر سکتی وہ اعصابی یا نفسیاتی امراض میں مبتلا ہو سکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے مریضوں کے لئے بعض اوقات نفسیاتی تجزیہ یا سائیکو انالیسس کی ضرورت پڑتی ہے۔

نفسیاتی تجزیہ

اس عمل میں مریض اور نفسیاتی ماہر کے درمیان وقفہ وقفہ سے مسلسل لمبی نشستوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جن میں مریض کے اندر چھپی ہوئی پریشانی کی کھوج لگائی جاتی ہے۔ اس عمل کے لئے خواہ فرائیڈ کے پراگندہ جنسی نظریہ خواہ ایڈلر کے نظریہ "تلافی" اور خواہ جنگ کے شعور یا لاشعور کو اکٹھا کرنے کے نظریہ کو کام میں لایا جائے کوشش یہی کی جاتی ہے کہ مریض کے قلب کی گہرائی میں چھپی ہوئی ماضی کی ناشائستہ حرکات یا خواہش یا پریشانی یا اُلجھن کا مریض سے اقرار کرایا جائے اور اِن کو ایک معمولی بات باور کرائی جائے۔ تاکہ مریض کے دل سے بوجھ اُتر جائے اور وہ صحت مند ہو جائے۔ ان امراض کے لئے آج کل بے فکری پیدا کرنے والی ادویات دریافت ہو گئی ہیں جن کو ڈاکٹر کی تجویز اور زیر نگرانی استعمال کرایا جاتا ہے۔

چیونٹیوں کے بارے میں عجائبات

(۱) چیونٹیوں کی اقسام ہزار سے زائد ہیں۔

(۲) چیونٹیوں کی عمر سات سال ہوتی ہے۔

(۳) اگر مختلف بلوں کی چیونٹیاں کہیں سیلاب میں پھنس جائیں تو ہر بل کی چیونٹیاں اپنے ساتھیوں کی پہچان کرنے کے لئے سونگھتی ہیں۔ اور اٹھا کر گھروں کو چل دیتی ہیں۔

(۴) چیونٹیاں بعض درختوں کے پتے توڑ لاتی ہیں۔ اور پھر انہیں بھگو کر بطور فرش گھر میں بچھاتی ہیں۔

(۵) اگر چیونٹی زخمی ہو جائے تو فوراً دوسری چیونٹی کسی کیمیائی عمل سے اپنی تھوک کو دھاگے کی شکل دیکر اس زخم کو سی دیتی ہے

(۶) اگر کوئی چیونٹی مر جائے تو پہلے اس کا باقاعدہ جنازہ اُٹھتا ہے اور پھر پوری رسوم کے ساتھ دفن کی جاتی ہے۔

(۷) چیونٹی کی آنکھ دو سو آنکھوں کا مجموعہ ہے۔

(۸) چیونٹیاں بعض دیگر حشرات کو پکڑ کر لے جاتی ہیں صلاح و مشورے کے بعد بڑوں کو چھوڑ دیتی ہیں اور بچوں کو رکھ لیتی ہیں اس لئے کہ بچے ہر سانچے میں ڈھل سکتے ہیں اور بڑے آخر تک سرکش رہتے ہیں۔

(۹) چیونٹیاں بل کے قریب بعض غلّے بو دیتی ہیں اور جب فصل پک جاتی ہے تو اٹھا کر بلوں میں لے جاتی ہیں۔

مرتبہ: فضیل عیاض احمد

مجمع العلوم

اس ماہ سے رسالہ خالد کے قارئین کے لئے ایک نئے کالم کا آغاز کیا جا رہا ہے جس میں سوال وجواب کا سلسلہ ہوگا۔ آپ کے سوالوں کے جواب علماء کی مدد سے مرتب کئے جائیں گے۔ آپ بھی اپنے سوالات بھیجیں۔ سوالات سیاسی نوعیت کے نہ ہوں۔ اُمید ہے یہ سلسلہ آپ کو پسند آئے گا۔ (ادارہ)

سوال:۔ ایمنیسٹی انٹرنیشنل کیا ہے اور اس کے مقاصد کیا ہیں؟ (لئیق احمد۔ اسلام آباد)

جواب:۔ ایمنیسٹی انٹرنیشنل (AMNESTY INTERNATIONL) انسانی حقوق کے تحفظ کی تنظیم ہے جو ۱۹۶۱ء میں ایک وکیل نے لندن میں قائم کی تھی۔ اس کا مقصد جیلوں میں پڑے ان سینکڑوں مظلوم قیدیوں کی رہائی کا انتظام کرنا تھا جو عرصہ سے قید کاٹ رہے تھے۔ اخبار کے ایک مضمون میں ہر شعبۂ زندگی سے متعلق لوگوں کو اس بات پر ابھارا گیا تھا کہ وہ مذہبی اور سیاسی بنیادوں پر ان سینکڑوں مقیّد مردوں اور عورتوں کی رہائی کے انتظامات کیلئے پُرامن کوششیں کریں۔ جو جیلوں میں پڑے سڑ رہے ہیں۔ ایک ماہ کے عرصے میں ایک ہزار سے زیادہ افراد نے عملی مدد کی پیشکش کردی۔ دو سال بعد ۱۲ ممالک میں ایمنیسٹی کے ۲۶۰ گروپ قائم کردیئے گئے۔ آج تنظیم کے پانچ لاکھ سے زائد ممبر ہیں۔ جو ۱۵۰ ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ایمنیسٹی انسانی حقوق کے استحصال کے بارے میں اطلاعات مختلف نجی اور عوامی ذرائع سے حاصل کرتی ہے۔ اور لندن میں ایمنیسٹی کا صدر دفتر قانونی ماہرین کی مدد اور اسیران یا ان کے لواحقین کے خطوط کی مدد سے رپورٹ مرتب کرتا ہے۔ ایمنیسٹی ان ممالک میں جہاں سیاسی حقوق دبائے جاتے ہیں اپنے نمائندے بھجواتی ہے۔ وہ موقع پر جا کر اطلاعات جمع کرتے ہیں اور حکومتی نمائندوں سے مباحث کرتے ہیں اور اگر ممکن ہو تو اسیران سے بھی گفتگو ہوتی ہے۔ اور ۱۵۰۔ افراد پر مشتمل عملہ ان تمام اطلاعات کی چھان بین کرتا ہے جب ایمنیسٹی کو کسی غیر قانونی جبر، قتل کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو یہ اپنے ہیڈ کوارٹر کی ہدایت پر مہم شروع کرتی ہے۔ ایمنیسٹی کی کوششوں سے ۱۵۹ میں سے ۸۳ ممالک نے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر کو تسلیم کیا۔ ایمنیسٹی کے کام کی اہمیّت اس وقت سے زیادہ بڑھ گئی ہے جب سے اس کو ۱۹۷۳ء میں امن کا نوبل پرائز ملا ہے۔ ایمنیسٹی کو قائم ہوئے ۲۵ سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ جو پوری دُنیا میں انسانی حقوق کے خلاف ہونے والے اقدامات کے خلاف آواز اٹھانے والا عالمی ادارہ ہے۔

سوال:۔ KOSHER (کوشر) کیا ہے؟

(صدف رشید۔ واہ کینٹ)

جواب:۔ "کوشر" ایک عبرانی لفظ ہے اور عبرانی رسم الخط میں اس طرح لکھا جاتا ہے כשר اس کے معنے ہیں "قانونی" (LAWFUL) یہ لفظ غیر ممالک میں اکثر سبزی اور گوشت کی دکانوں پر لکھا جاتا ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ یہاں وہ خوراک دستیاب ہے یہودی مذہب و ملت کے لوگوں کے لئے ان کے مذہبی قوانین کی روشنی میں تیار کی گئی ہے۔ کوشر کے بارے میں ہمیں تفصیلی علم حاصل کرنے کے لئے تین ہزار سال قبل کا سفر اختیار کرنا ہوگا۔ جب (عبرانی) یہودی لوگ یہودا کی سرزمین میں بستے تھے جس کو آج اسرائیل کہتے ہیں۔ یہ سرزمین شروع ہی سے حملوں کا شکار رہی ہے۔ ایک وقت ایسا آیا یہود کے مقدس شہر یروشلم کو تباہ کر دیا گیا اور وہ پوری دُنیا میں بکھر کر رہ گئے۔ لیکن یہود ان مظالم کے باوجود اپنے مذہب کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اب ان کی مذہبی رسُومات گھریلو حیثیت اختیار کر گئیں ان کی مذہبی تقریبات کی جان کھانے کی دعوتیں ہوا کرتی تھیں۔ جس کے بارے میں ان کے خصوصی احکام ہوتے تھے۔ خصوصاً گوشت کے کھانے کے بارے میں احکامات سخت اور پیچیدہ تھے۔ سؤر کھانا سختی سے منع تھا۔ دوسرے جانوروں کے گوشت کا بہت سا حصّہ بھی نہ کھایا جاتا تھا۔ گوشت اور دُودھ۔ دُودھ سے بنا ہُوا کھانا ایک ہی وقت میں پیش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ یہود نے خوراک کی اُگائی کم کر دی اور زیادہ تر بازار پر انحصار کرنے لگ گئے۔ لیکن ابھی بھی وہ اس بات کا خیال رکھتے تھے۔ کہ خوراک ان کے شرعی احکامات کے عین مطابق ہو۔ چنانچہ اُن کی سہولت کیلئے KOSHER کا لفظ دکانوں اور دروازوں پر لکھ دیا جاتا تھا جس سے وہ سمجھ لیتے کہ وہ صحیح خوراک صحیح جگہ سے خرید رہے ہیں۔ آج کل خوراک کے بعض بند ڈبوں پر بھی یہ الفاظ عبرانی رسم الخط میں چھاپ دیئے جاتے ہیں جس سے اس بات کا پتہ چل جاتا ہے۔ کہ خوراک تیار کرنے والے ادارے نے اس کی تیاری میں یہودی قوانین کا خیال رکھا ہے۔

گاجر

گاجر ایک مفید اور خوش ذائقہ سبزی ہے اپنے فوائد کے لحاظ سے یہ سیب کا مقابلہ کرتی ہے اس میں مصفا پانی گوشت بنانے والے روغنی اور نشاستہ دار اجزا کے علاوہ قدرتی فولاد، کیلشیم، پوٹاشیم، فاسفورس موجود ہوتا ہے ایک پاؤ گاجر میں دو پاؤ دودھ کے برابر کیلشیم اور ڈبل روٹی کے برابر غذائیت ہوتی ہے۔ گاجر قبض کشا ہے یہ معدہ کی تیزابیت اور جلن کا ایک عمدہ قدرتی علاج ہے۔ یہ دل کو طاقت دیتی ہے اور گرمی کو دُور کرتی ہے گاجر کھانے سے مسوڑھے مضبُوط اور دانت صاف ہو جاتے ہیں۔ اس کے کثرت سے استعمال کرنے سے کمر ہمیشہ مضبُوط رہتی ہے۔ گاجر میں حیاتین الف، ب اور ج کافی مقدار میں موجود ہے۔ ہاتھ پاؤں جلتے ہوں یا سر گھومتا ہو تو اس کا استعمال فائدہ مند ہوتا ہے۔ یرقان کی صورت میں گاجر کی کانجی بہترین علاج ہے۔

جناب میرزا محمود احمد۔ ربوہ

رواں رواں ہے مسرت سے جھوم جھوم اٹھا

دیارِ غرب سے مشرق کے باسیوں کو بہ لطف
کسی کی چاہتوں کا سلام آیا ہے

ہیں وقف اُس کے سجود و قیام ہمارے لئے
زہے کرم۔ کہ یہ ہم کو پیام آیا ہے

رواں رواں ہے مسرت سے جھوم جھوم اُٹھا
ہمارے ہونٹوں پہ یہ کس کا نام آیا ہے

بہ عشقِ دوست دل و جاں کی آزمائش ہے
خدا کا شکر کہ ہم تک بھی جام آیا ہے

یہ کائناتِ وفا فائز المرام ہے وہ
وغائے عشق و وفا میں جو کام آیا ہے

کمک کو اہل خلوص و وفا کی۔ یارِ ازل
مدام آئے گا ہمدم۔ مدام آیا ہے

بہ راہِ یارِ ازل دی جنہوں نے جاں اُن کو
ازل سے یارِ ازل کا سلام آیا ہے

عطا یہ دوست کی ہے دیکھ کر عدو کو بھی
ہمارے لب پہ سدا ابتسام آیا ہے

ہے زد پہ پھر سے حوادث کی کارواں محمودؔ
فغانِ آخر شب کا پیام آیا ہے

رجسٹرڈ
مضبوطی میں بے مثال
کارکردگی میں لاجواب
HERCULES
ہرکولیس
امپورٹڈ میٹریل سے تیار شدہ
HERCULES
ہر قسم کی گاڑیوں کے سپرنگ پٹہ سپرنگ بس اور پٹہ کمانی سپیشلسٹ
میاں بھائی
۱۰ منٹگمری روڈ، لاہور۔ فون نمبر۔
223372
223373

تھرڈ کلاس

ایک حقیقت افروز افسانہ

مکرم غلام احمد داؤد صاحب

آج پھر مہینے کی آخری تاریخوں کی وجہ سے میں حسبِ معمول تانگے کا کرایہ بچانے کے لئے سڑک کے کنارے کنارے دفتر سے گھر کی طرف آ رہا تھا قرض خواہوں سے بچنے کے لئے مختلف سڑکیں چھوڑنی پڑیں اور لمبا راستہ اختیار کیا تھا۔ چند دنوں کے بعد پہلی تاریخ آنے والی تھی اور میں تنخواہ کو جمع تفریق کر رہا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ اس ماہ ضرور تھوڑی سی بچت کر لی جائے لیکن جب بچوں کی فیس۔ دودھ کا بل اور باقی چھوٹی موٹی ضروریات کو جمع کر کے اپنی کل پونجی کا حساب لگایا جو کہ ابھی مجھے ملی نہیں تھی تو تنخواہ کچھ کم ہی پڑتی نظر آئی اور بچت کے منصوبے کو اگلے ماہ میں شامل کر دیا۔ بڑی بڑی حکومتیں بھی جب کوئی منصوبہ پورا نہ ہو تو اگلے پانچ سالہ منصوبے میں شامل کر کے لوگوں کے آنسو پونچھ دیتی ہیں ابھی میں اپنے اور پانچسالہ منصوبہ کا موازنہ کر ہی رہا تھا کہ ایک سفید رنگ کی لمبی سی گاڑی نے سامنے سے آتے ہوئے بتیاں روشن کیں اور پھر بجھائیں۔ میں گاڑی کے اندر نہیں دیکھا کرتا کیونکہ میں یہی خیال کیا کرتا ہوں کہ گاڑیوں کے اندر بڑے مکروہ چہرے ہوتے ہیں اور ان گاڑیوں میں جلنے والے تیل کو میں یہی سمجھتا ہوں کہ میرا خون جل رہا ہے ویسے بھی جب کوئی گاڑی میرے پاس سے گزرتی ہے تو میں اسے کسی نہ کسی بہانے دل میں ضرور برا بھلا کہتا ہوں اور کوئی نہ کوئی بہانہ مجھے مل ہی جاتا ہے جس کو میں ذہن میں رکھ کر رگیدتا ہوں کبھی یہ کہہ کر یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس گاڑی

ہے تو بغیر گاڑی والا آدمی انسان ہی نہیں ہے اگر کوئی آہستہ چلا رہا ہو تو ہمیں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بڑے تکبر سے گاڑی چلا رہا ہے بھلا جلدی جلدی جائے اپنا کام کرے کیسے لوگوں کو دکھانے کے لئے گاڑی چلا رہا ہے اور جی بھر کر لتے لئے جاتے ہیں اور اگر کوئی گاڑی والا تیزی سے قریب سے گزر جائے تو اس کو انسانوں کی لسٹ سے خارج کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ کم بخت کو احساس ہی نہیں ہے کہ کچھ معزز لوگ سڑک کے ساتھ پیدل بھی جا رہے ہیں پیدل چلنے والوں کے اوپر گرد ڈال گیا ہے۔ خود نا ہنجار گزر گیا ہے۔ اور ہمارے لئے یہ فضا گرد آلود کر گیا ہے کہ ہم اس فضا میں سانس لے کر بیمار ہو جائیں اگر ایسے تمام بہانوں سے کوسنے کا موقع نہ ملے تو یہ بہانہ تو ہوتا ہی ہے کہ سرمایہ دار گاڑیوں والے فرعون کی اولاد ہیں اور ساتھ ہی چوری کے متعدد الزام لگا دیئے مثلاً ٹیکس کی چوری بلیک مارکیٹنگ اور دل میں اُن اشخاص کو دُہرا دیا جو زمین خریدتے وقت دام تو زیادہ دیتے ہیں لیکن رجسٹری تھوڑی رقم کی کرواتے ہیں تاکہ حکومت کو رجسٹری فیس کم دینی پڑے اور اب تو ہر گاڑی کو اس کی حالت دیکھ کر مختلف الزامات سے نوازا جاتا ہے۔ اگر کسی گاڑی کو حادثہ پیش آ جائے تو دل کو بڑی خوشی ہوتی ہے کہ چلو اچھا ہوا آخر اللہ تعالیٰ نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دیا بعد میں پتہ چلا یہ گاڑی تو بیمہ شدہ تھی خوشی تو کافور ہوئی اور بیمہ کرنے والوں کو کوسنا شروع کر دیا کہ کم بخت گاڑیوں کی بھی انشورنس کر لیتے

ہیں اب اسے نئی گاڑی دوبارہ مل جائے گی۔

سفید گاڑی میرے پاس رُک چکی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ سے میرا نام پکارا گیا اور ساتھ ہی اگلا دروازہ کھُل گیا گاڑی کے اندر دیکھ کر تلازم خیالات کا سلسلہ شروع ہو گیا اور گاڑی میں بیٹھتے ہی میں اپنے کالج کی باہر والی سڑک پر پہنچ گیا جب میں نیا نیا کالج میں داخل ہوا تھا بڑا رنگین زمانہ تھا خاص کر جب سکول سے کالج میں لڑکے آتے ہیں تو اُن کی چال ڈھال ہی بدلی ہوئی ہوتی ہے خود کو وہ ذرا بڑا خیال کرتے ہیں اور والدین بھی یہ باور کرواتے ہیں کہ اَب تم کالج کے طالب علم ہو اور پھر آزادی اور کسی خالی پیریڈ میں دُنیا جہان کے موضوعات پر اپنی علمیّت بکھاری جاتی ہے۔ طبیعات کے طالب علم معاشیات پر روشنی ڈال رہے ہیں معاشیات کے طالب علم منطق و فلسفہ و نفسیات پر اپنے علم سے دوسروں کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اب گاڑی اسی کالج کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ بالکل اسی جگہ ہم یونین کا تازہ تازہ الیکشن ہار کر الزام ایک دوسرے کے سر تھوپ رہے تھے۔ کہ افضل جو میٹرک تک ہمارا کلاس فیلو رہا تھا پہنچ گیا اس کے کپڑے میلے اور سر میں گرد اٹی ہوئی تھی وہ بھی باتیں سُننے میں مشغول ہو گیا اور ابھی بولا ہی تھا کہ میں نے اُسے چُپ کروا دیا ان الفاظ کے ساتھ کہ یہ تھرڈ کلاس مزدوری کرنے والا ہماری باتوں میں دخل دینا شروع کر دیتا ہے خاموش رہو ورنہ چلے جاؤ وہی افضل آج بیس سال کے بعد گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا افضل نے چند سوالات کئے میں ہاں ہاں میں جواب دیتا رہا۔ کیا کر رہے ہو۔ میرے منہ سے دفعتہً نکلا "کلرک" آپ کیا کر رہے ہیں میرے منہ سے خود بخود یہ الفاظ ادا ہوئے گاڑی ایک ریستوران کے پاس پہنچ کر رُک گئی کھانا کھاتے ہوئے افضل نے مجھے بتایا کہ وہ سعودی عربیہ میں مکینک ہے کھانے کا بل ادا کرنے کے بعد وہ مجھے گھر تک چھوڑنے آیا گاڑی کے دروازے سے نکلتے ہوئے افضل نے کہا شکریہ کس بات کا میں حیرانگی سے گویا ہوا کہنے لگا میں تم لوگوں کا بڑا شکر گزار ہوں کیونکہ اگر تم مجھے اُس دن نہ دھتکارتے تو شاید میں نے اتنی محنت نہ کی ہوتی اور آج اس حالت میں نہ ہوتا۔

پروگرام ہفتۂ تربیّت

۶ فروری تا ۱۲ فروری ۱۹۸۷ء

تمام قائدین خدام الاحمدیہ سے گذارش ہے کہ وہ ۶ فروری سے ۱۲ فروری تک ہفتۂ تربیّت منائیں اور اس میں مندرجہ ذیل امور کی طرف خصوصی توجہ دیں۔

۱۔ نمازوں میں سُست خدام کی فہرست تیار کریں ان کو ذاتی رابطہ کے ذریعہ نماز باجماعت کا عادی بنانے کی کوشش کریں۔

۲۔ ایسے سست خدام کے والدین سے مل کر ان سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں آپ کی مدد کریں۔

۳۔ دوران ہفتہ نمازِ تہجد کی ادائیگی کی تلقین کی جائے۔

۴۔ ایک نفلی روزہ رکھا جائے۔

۵۔ دورانِ ہفتہ ہر روز مغرب کی نماز کے بعد کشتی نوح کا درس ہُوا کرے خاص طور پر تعلیم والے حصہ کا درس ہو۔

۶۔ روزانہ تلاوت قرآن کریم کرنے کی تلقین کی جائے۔

۷۔ دینی شعائر کی پابندی کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے خاص طور پر داڑھی رکھنے۔ ٹوپی پہننے اور السّلام علیکم کہنے کی عادت کو رواج دینے پر زور دیا جائے۔

۸۔ ہفتہ کے اختتام پر کارگزاری کی رپورٹ ضرور بھجوائیں۔

جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

(مہتمم تربیّت مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

عدل و انصاف

احمد قادری کے قلم سے!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک بڑا مقصد دنیا کو ظلم و تعدی سے نجات دلا کر عدل و انصاف کا قیام تھا چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تو لوگوں سے کہہ دے۔

اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (الشوریٰ : ۱۰)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کو رواج دوں۔ چنانچہ آپ کی ساری زندگی عدل و انصاف کے قیام میں بسر ہوئی ایک موقعہ پر آپ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے گرد و پیش مال وصول کرنے والوں کا ہجوم تھا۔ ایک شخص آتا ہے اور منہ کے بل آپ پر جھک جاتا ہے۔ آپ کے دستِ مبارک میں ایک ہلکی سی چھڑی تھی۔ آپ نے اسے ٹھوکا دیا۔ اتفاق سے چھڑی کا سر اس کے منہ پر لگا اور خراش سی آگئی آپ نے فوراً فرمایا "مجھ سے بدلہ لے لو" اس نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول میں نے معاف کیا۔

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے ایسی بے شمار مثالیں سامنے آتی ہیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل و انصاف اور یکسانیت اور برابری کا سلوک کرنے پر روشنی ڈالتی ہیں۔ انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بدر کا معرکہ ہوا متعدد اکابر قریش گرفتار کر لیے گئے ان میں آپ کے چچا عباس بھی تھے۔ رات کو رسیوں کے بندھن سخت ہونے کی وجہ سے عباس کے کراہنے کی آواز آتی تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کی آواز سنتے تو بڑے مضطرب ہوتے اور کروٹ پر کروٹ بدلتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب آپ کی یہ حالت دیکھی تو عباس کے بندھن ڈھیلے کر دیئے اس پر ان کی آواز آنی بند ہو گئی۔ آپؐ نے صحابہ رضؓ کو بلا کر پوچھا کہ عباس کی آواز کیوں نہیں آتی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم نے ان کے بندھن ڈھیلے کر دیے ہیں فرمایا جاؤ اور تمام قیدیوں سے یکساں سلوک کرو اور ان سب کے بندھن کھول دو۔

اگر آج کی دنیا کے تمام قائدین امام المتقین کی طرح عدل و انصاف کے قیام کی خاطر اپنے اعزہ و اقربا متعلقین اپنے حامیوں اور مخالفین۔ حتیٰ کہ خود اپنے جسم و جان سے متعلق معاملات میں ہر قسم کے تفاوت کو خیرباد کہہ کر قانون کا نفاذ کریں تو آج کی دنیا کس قدر راحت اور اطمینان محسوس کرے اور تفرقہ بازی اور انتشار ختم ہو اور یگانگت اور بھائی چارہ کی فضا قائم ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رعایا کے حقوق کے بارے میں اسقدر خوفزدہ رہتے تھے کہ فرمایا کرتے تھے:

"دریائے فرات کے کنارے ایک بکری کا بچہ بھی اگر ضائع ہو جائے تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ اللہ

مجھ سے باز پرس کرے گا۔"

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ اپنے عمال سے فرمایا کرتے تھے۔

"اگر تمہارا اقتدار، تمہاری طاقت تمہیں عوام پر ظلم کرنے پر اکسائے تو اللہ کی طاقت اور اقتدار کو یاد کر لینا۔"

نیز فرمایا کرتے تھے۔

"اگر کسی کو حکومت ملے تو عوام کیساتھ نرمی کا برتاؤ کرے اور جو اللہ کے بندوں پر رحم کریگا اللہ اس پر قیامت کے دن مہربان ہوگا۔"

ابن طقطقی ایک معروف مسلمان مفکر گذرے ہیں۔ آپ نے اپنی مشہور کتاب "الفخری" میں بادشاہ اور سربراہ کی خصوصیات درج کی ہیں۔ چنانچہ وہ عدل کو بادشاہ کے لیے ایک لازمی وصف قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ عدل کے ذریعہ دولت و ثروت کی بہتات ہو جاتی ہے۔ رعایا کی ترقی عدل کے بغیر ممکن نہیں۔ عدل کے سلسلہ میں وہ ہلاکو خاں کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہلاکو خاں بغداد پر قابض ہو گیا تو اُس نے فقہاء سے اس بارہ میں استفسار کیا کہ عادل کافر بادشاہ بہتر ہے یا ظالم مسلمان بادشاہ تمام فقہاء غور و خوض کرنے کے لیے مستنصریہ میں جمع ہوئے لیکن انہوں نے فیصلہ کر لینے کے باوجود جواب دینے سے ہچکچاہٹ محسوس کی۔ رضی الدین علی بن طاؤس بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ وہ سن رسیدہ اور معزز تھے۔ جب انہوں نے علماء کے پس و پیش کو دیکھا تو انہوں نے فتویٰ دیا اور سب سے پہلے دستخط ثبت کئے جس میں عادل کافر بادشاہ کو ظالم مسلمان فرمانروا پر ترجیح دی گئی تھی۔ اُن کی دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی دستخط کر دیئے۔ گویا اس واقعہ کو بیان کر کے ابن طقطقی عدل کو مذہب پر بھی ترجیح اور فوقیت دیتے ہیں۔

امام غزالیؒ ۴۵۰ھ میں طوس کے مقام پر پیدا ہوئے بہت بڑے مسلمان مفکر ہیں۔ اپنی گراں مایہ تصنیف "احیاء العلوم" میں سیاسی افکار تحریر کئے ہیں۔ نیز اس کے علاوہ مختلف کتب میں بھی آپ نے سیاسیات پر قلم اُٹھایا ہے آپ حکمران کے لیے صفت عدل کو بہت ضروری قرار دیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ جب اس کے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو وہ خود کو رعیت خیال کرے اور حکمران کسی دوسرے کو سمجھے اور جو بات اپنی ذات کے لیے پسند نہ کرے وہ دوسروں کے لیے بھی نہ چاہے اور اس اصول کی خلاف ورزی کو امام غزالی دغا اور خیانت کا نام دیتے ہیں۔ نیز لکھتے ہیں کہ اُسے اپنے اندر قناعت کی عادت ڈالنی چاہیئے کیونکہ قناعت کے بغیر عدل ممکن نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جو شخص حکومت کا حق ادا کرتا ہے۔ وہ حق تعالیٰ سے ابدی سعادت حاصل کر لیتا ہے اور جو ایسا نہیں کرتا وہ ایسی شقاوت میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے بڑھکر اور کوئی شقاوت نہیں۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ایسے حریص اور طالع آزما لوگوں سے دور رہنا چاہیئے کیونکہ ایسے لوگ اسے دھوکے میں رکھیں گے اور اس کی جھوٹی تعریف کر کے خوش کرنے کی کوشش کریں گے اور انصاف کے تقاضوں کو مجروح کریں گے۔

بغیر حق کے جو سلطاں کرے وصول اک سیب
غلام اس کے جڑوں سے اکھیڑ لیں گے درخت
جو بادشاہ کبھی مفت پانچ انڈے لے
سپاہی اس کے کریں گے ہزار مرغ دولخت

مکرم ڈاکٹر محمد یوسف ایاز صاحب بدوملہی

دلوں کو اسی نور سے جگمگاؤ

تضرّع سے سجدوں میں آنسو بہاؤ　خدا کے جو ہوں اُن پہ ایمان لاؤ
چلی آئے گی خود بخود اُس کی نُصرت　دُعائیں کرو راتوں کو گڑگڑاؤ
زبانوں کے نشتر دلوں میں سمو لو　صبر انتہا کا بھرے گا یہ گھاؤ
وہ مشکلکشا مشکلیں دُور کر دے　کرو حمد۔ شکوہ زباں پر نہ لاؤ
رہو خوش ہمیشہ خُدا کی رضا پر　نہ اُس آستانہ سے سر کو اُٹھاؤ
پڑے آگ میں سونا بن جائے کُندن　مظالم سہو اور کھرے ہوتے جاؤ
دُعائیں کرو آہ و زاری نہ چھوڑو　خود آئے گا مقبولیّت کا بہاؤ
جو اُس کے ہوں اُن کو نہ ہرگز وہ چھوڑے　اُسی کی ثنا کو ترانوں میں گاؤ
کرو سینے ایمان و عرفان سے روشن　دلوں کو اُسی نُور سے جگمگاؤ
وہ سُنتا ہے سب کی سمیع و بصیر　غمِ داستاں ساری اُس کو سُناؤ

اُسی کے ہیں محمُود و ایاز سارے
کبھی چھوڑ کر اُس کے دَر کو نہ جاؤ

○

پرندے
چوتھا مضمون

مکرم ملک محمود احمد صاحب ناصر

کوئل

کوئل ایک جانا پہچانا پرندہ ہے جو پاکستان کے تمام علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ نر کا رنگ سیاہ ہوتا ہے جس میں نیلے اور سبز رنگ کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ مادہ کوئل بھوری ہوتی ہے۔ جس میں زیتونی جھلک ہوتی ہے۔ مادہ کے بازو، دم، سینہ اور پیٹ کے پروں پر سفید رنگ کے دھبے ہوتے ہیں

کوئل کو شعراء نے اپنی نظموں میں بھی جگہ دی ہے۔ صبح سویرے دوسرے پرندوں کے ہمراہ کوئل کی کوک بھی سنائی دیتی ہے۔ کوئل عام طور پر جنگلات اور باغات میں ملتی ہے۔ بیٹھنے کے لئے اکثر درختوں کے جھنڈ کو ترجیح دیتی ہے اور زمین پر اترنا پسند نہیں کرتی۔ اس کی عام خوراک مختلف درختوں کے پھل ہیں لیکن اس میں بھی یہ پیپل، بڑ اور انجیر کے پھل کو ترجیح دیتی ہے۔

کوئل کو عام کوؤں کی طفیلی بھی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ مادہ کوئل اپنے انڈے کوؤں کے گھونسلوں میں دیتی ہے۔ اپنے انڈے دینے سے پیشتر یہ کوؤں کے ایک یا دو یا زائد انڈے ضائع کر دیتی ہے۔ کوّے، کوئل کے انڈوں کو سیتے ہیں۔ جب بچے نکلتے ہیں تو ان کی دیکھ بھال بھی کرتے ہیں۔ کوئل کے بچے بڑے ہونے پر بے تحاشا کھاتے ہیں۔ اگر گھونسلے میں کوئل کے بچوں کے علاوہ کوؤں کے بچے بھی ہوں تو پھر کوئل کے بچے اُن کو نیچے گرا دیتے ہیں۔

کوّے جب ان بچوں کو ذرا بڑا دیکھتے ہیں تو گھبرا جاتے ہیں اور اکثر چھوڑ بھی جاتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر یہ بچے بے انتہا درد اور کرب کی آواز میں چیختے چلاتے اور شور مچاتے ہیں جس کی وجہ سے کوؤں کے علاوہ دوسرے پرندے بھی اُن کو چوگا دینے جاتے ہیں۔ بعض اوقات مادہ کوئل بھی ان بچوں کو چوگا دیتی رہتی ہے۔

ضروری وضاحت

۱۔ خالد کے شمارہ نومبر ۸۶ء کے صفحہ ۷ پر ایک اقتباس ہے جس کا حوالہ رہ گیا ہے کالم ۲ میں "اگر دولتمند ہو سے" لے کر صفحہ ۸ "پر ہمہ دم مل سکتا ہے"۔ اسوۂ کامل از سید سلیمان ندوی سے لیا گیا ہے۔

۲۔ دسمبر ۸۶ء کے شمارہ میں صفحہ ۱۴ پر جناب چوہدری محمد علی کی غزل شائع ہوئی ہے جس میں ان کے نام کیساتھ غلطی سے مضطر لکھا گیا ہے۔

ادارہ ان دونوں فروگذاشتوں پر قارئین سے معذرت خواہ ہے۔ (ادارہ)

اخبار مجالس

آگے قدم بڑھائے جا

مرتبہ: شمشاد احمد قمر

اجتماعات

ضلع قصور ۲-۳ / اکتوبر ۱۹۸۶ء کو ضلع قصور کا سالانہ اجتماع ہوا جس میں ۲۴۰ خدام و اطفال شریک ہوئے۔ حضور کی تقریر کی وڈیو فلم دکھائی گئی۔ علمی و ورزشی مقابلہ جات ہوئے۔

ضلع گجرات مورخہ ۱۶-۱۷ / اکتوبر ۱۹۸۶ء بیت الحمد چک سکندر میں اجتماع منعقد ہوا ۱۴ مجالس کے ۷۴ خدام و اطفال شریک ہوئے۔ بزرگوں نے تقاریر کیں۔ علمی و ورزشی مقابلہ جات ہوئے اور انعامات کی تقسیم ہوئی۔

لانڈھی کورنگی کراچی مورخہ ۴ و ۵ / اکتوبر ۱۹۸۶ء کو لانڈھی کورنگی کا اجتماع منعقد ہوا ۱۸۰ خدام و اطفال شامل ہوئے۔ علمی، ورزشی مقابلہ ہوئے اور انعامات دیئے گئے۔

ڈرگ روڈ کراچی مورخہ ۲۳-۲۴ / اکتوبر ۱۹۸۶ء کو مجلس ڈرگ روڈ کراچی کا سالانہ اجتماع ہوا۔ ۲۰۵ خدام و اطفال شریک ہوئے۔ علمی و ورزشی مقابلے ہوئے اور انعامات تقسیم کئے گئے۔

تربیتی کلاسیں

ضلع بھکر ۲۵ / ستمبر ۱۹۸۶ء کو ضلع بھکر کی یک روزہ تربیتی کلاس منعقد ہوئی۔ مرکز کے نمائندہ نے بھی شرکت کی۔ نظم اور تقاریر کے علاوہ جلسہ سالانہ لندن کی وڈیو کیسٹ بھی دکھائی گئی۔

ضلع نواب شاہ ضلع نواب شاہ میں یک روزہ تربیتی کلاسیں ہوئیں۔ ضلع کی مجالس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک حصہ میں ۲۵ / جولائی ۱۹۸۶ء اور دوسرے حصہ میں یکم اگست ۱۹۸۶ء کو کلاس منعقد ہوئی جس میں علمی و ورزشی مقابلہ جات ہوئے اور کامیاب خدام و اطفال کو انعامات دیئے گئے۔ حاضری ۷۰% فی صد رہی۔

ضلع راولپنڈی ۱۱-۱۲ / ستمبر ۱۹۸۶ء کو قیادت ضلع راولپنڈی کے زیر اہتمام دو روزہ تربیتی کلاس منعقد ہوئی۔ ۳۰۵ خدام و اطفال شامل ہوئے۔ علمی و ورزشی مقابلہ جات کے بعد انعامات تقسیم ہوئے۔

میرپور خاص مورخہ ۱۷ / اکتوبر کو میرپور خاص میں تربیتی کلاس منعقد ہوئی۔ کثیر تعداد میں خدام و اطفال شامل ہوئے۔ علمی و ورزشی مقابلہ جات ہوئے اور انعامات دیئے گئے۔

کُنری ستمبر کے آخر میں کُنری میں یک روزہ تربیتی کلاس منعقد ہُوئی۔ ۷۰% خدام واطفال شریک ہُوئے۔ علمی وورزشی مقابلہ جات ہُوئے اور انعامات دیئے گئے۔

راولپنڈی شہر مورخہ ۲۳-۲۴ر اکتوبر کو قیادت راولپنڈی شہر کے تحت دو روزہ تربیتی کلاس منعقد ہوئی جس میں ۱۰۸ خدام واطفال شامل ہوئے۔ علمی وورزشی مقابلے ہوئے اور انعامات دیئے گئے۔

وقارِ عمل

سلطان پورہ لاہور ۳ر ستمبر ۱۹۸۶ء کو انجینئرنگ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلباء کے اعزاز میں الوداعی پارٹی دی گئی جس کا انتظام وغیرہ کرنے کے لئے ۱۲ خدام نے ۴ گھنٹے کام کیا۔

محمود آباد (کُنری) ضلع تھر پارکر اکتوبر ۸۶ء میں محمود آباد میں تین خصوصی وقارِ عمل کئے گئے جس میں نیا قبرستان بنایا گیا اور چاروں طرف کانٹوں کی باڑ اور پودے لگائے۔ پہلے وقارِ عمل میں خدام کی تعداد ۲۵ دوسرے میں ۲۳ اور تیسرے میں ۲۰ تھی۔

صحتِ جسمانی

ضلع کراچی ۱۸ر ستمبر تا ۳ر اکتوبر ۸۶ء بین المجالس ضلعی فٹ بال ٹورنامنٹ ہوا۔ فائنل میچ ڈرگ روڈ نے جیتا۔

شعبہ اشاعت

مجلس سلطان پورہ لاہور مجلس میں دورے کرکے امسال تشحیذ الاذہان کے ۶۰ اور خالد کے ۶۰ نئے خریدار بنائے گئے۔

شعبہ وقارِ عمل کا پروگرام برائے ۸۶-۸۷ء

حضرت المصلح الموعود فرماتے ہیں کہ:

"کام کرنے کی عادت ڈالنا نہایت ہی اہم چیز ہے اور اسے جماعت کے اندر پیدا کرنا نہایت ضروری ہے تا جو لوگ سست ہیں وہ بھی چُست ہوجائیں اور ایسا تو کوئی بھی نہ رہے جو کام کرنے کو عیب سمجھتا ہو۔"

یومِ وقارِ عمل

دورانِ سال دو یوم وقارِ عمل منائے جائیں۔ پہلا یوم وقارِ عمل ۲۴ر اپریل ۸۷ء کو اور دوسرا ۲ر اکتوبر ۸۷ء کو منایا جائے۔ اس پروگرام کے تحت مقررہ دن ہر خادم انفرادی طور پر اپنے جملہ کام اپنے ہاتھوں سے کریں مثلاً کمرے کی صفائی، کپڑے دھونا، جوتے پالش کرنا وغیرہ۔ نیز گھریلو کاموں میں خصوصیت سے ہاتھ بٹایا جائے۔

مثالی وقارِ عمل

۷ر اگست ۸۶ء کو مثالی وقارِ عمل منایا جائے۔ یہ مثالی وقارِ عمل وسیع پیمانے پر کیا جائے۔ ہر خادم اور طفل کو شامل کیا جائے۔ یہ وقارِ عمل محلہ، گاؤں یا شہر کی اہم جگہوں پر کیا جائے۔ مثلاً قبرستان کی صفائی، کسی بڑی گذرگاہ کی مرمت وتعمیر وغیرہ۔ ہر ماہ دو مرتبہ بیوت الذکر کی صفائی کی جائے۔

لیکچرز

سال میں کم از کم دو مرتبہ وقارِ عمل کی اہمیت اور اس کی حقیقی روح کے بارہ میں لیکچر کروانے کا انتظام کیا جائے۔

قائدین سے اُمید ہے کہ وہ پروگرام کے مطابق پوری طرح عمل کروانے کی کوشش فرمائیں گے۔ اور رپورٹ مرکز کو بھجوا دیا کریں۔

(مہتمم وقارِ عمل مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

شمع کی ضَو پر سیاہی فتح پا سکتی نہیں

مجلس خدام الاحمدیہ مغربی جرمنی کا تیسرا سالانہ یورپین اجتماع

مجلس خدام الاحمدیہ مغربی جرمنی کے زیر اہتمام خدام الاحمدیہ کا تیسرا سالانہ یورپین اجتماع خدا تعالےٰ کے فضل کے ساتھ مورخہ ۲۴-۲۵-۲۶ر اکتوبر بروز جمعہ ہفتہ۔ اتوار بمقام ناصر باغ گروس گیراؤ منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں چھ ممالک سے کل ۱۹۸۰ خدام نے شرکت کی جب کہ ان میں مغربی جرمنی سے شامل ہونے والے خدام کی تعداد ۱۸۳۵ تھی۔ اجتماع کی سب سے اہم خصوصیت حضور پر نور کا وجود اور روح پرور خطاب تھے۔

انتظامات و تیاری

اجتماع کے انتظامات و تیاری کے سلسلہ میں نیشنل قائد صاحب کی زیر نگرانی ایک انتظامیہ کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کے تحت مختلف شعبہ جات نے ۲۱ر اکتوبر سے ناصر باغ میں اپنے عارضی دفتر قائم کر کے کام شروع کر دیا۔

جمعۃ المبارک و افتتاح

۲۴ر اکتوبر اجتماع کا پہلا دن تھا صبح ۹ بجے سے خدام کی رجسٹریشن کا کام شروع ہو گیا۔ گیارہ بجے امیر صاحب نے مقام اجتماع کا معائنہ کیا۔ اجتماع کے پروگراموں کے لئے ایک خوبصورت وسیع خیمہ میں پنڈال بنایا گیا تھا جس میں نہایت دیدہ زیب بینرز آویزاں تھے۔ اسی پنڈال میں نماز جمعہ ادا کی گئی۔

نماز جمعہ کے بعد حضور پنڈال سے باہر تشریف لائے اور یورپین ممالک کے نیشنل ریجنل اور قائدین مجالس کو شرف مصافحہ بخشا۔ پھر بعد ازاں لوائے خدام الاحمدیہ لہرایا گیا تو فضاء نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اٹھی۔

افتتاح

افتتاحی اجلاس ڈیڑھ بجے شروع ہوا۔ تلاوت قرآن کریم مکرم حفیظ الرحمٰن صاحب انور نے کی اور نظم محمد الیاس صاحب نے پڑھی۔ عہد کے بعد دو بجکر پانچ منٹ پر حضور کا افتتاحی خطاب شروع ہوا۔ حضور نے فرمایا۔

جرمنی کے بسنے والے احمدی ہوں یا یورپ کے دیگر جماعتوں کے بسنے والے احمدی۔ جو آج خالصتاً دینی اجتماع کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں۔ یہی میرا ان کے نام پیغام ہے کہ آج آپ امن کے محافظ کے طور پر دُنیا میں قائم کئے گئے ہیں۔ آج (دین حق) کے نمائندہ یا سفراء کے طور پر آپ دُنیا میں نکلیں جہاں کہیں سے بھی آپ جائیں۔ جہاں کہیں بھی آپ جائیں۔ جہاں کہیں بھی آپ جانے والے ہوں۔ آپ کی یہ حیثیت اولین حیثیت ہونی چاہیئے کہ آپ (دین حق) کے سفیر ہیں۔ یعنی امن کے سفیر ہیں اور اس امن کے سفیر ہیں جو واقعاتی طور پر آپ نے پا لیا ہے۔ آپ کی زندگیوں میں واضح ہو چکا۔ اس امن کی تلاش کرتے رہیئے جب تک وہ امن آپ کو نصیب نہ ہو۔ اور دُنیا کو موقعہ دیں کہ وہ امن آپ سے حاصل کرے۔ آپ اس حقیقت میں زندہ

رہیں گے۔ تو یقیناً ایک فاتح کی حیثیت سے زندہ رہیں گے۔

عِلمی مُقابلہ جات

اس اجتماع کے دوران درج ذیل علمی مقابلہ جات منعقد ہوئے۔ ۱۔ تلاوت۔ .... ۲۔ تقریر (مقابلہ تقریر تین زبانوں میں ہُوا۔ انگریزی، جرمن اور اُردو) ۴۔ مشاہدہ معائنہ۔ ان مقابلہ جات میں ۱۰۲ خدّام نے حِصّہ لیا۔

ورزشی مُقابلہ جات

مندرجہ ذیل ورزشی مقابلہ جات ہوئے

۱۔ اُونچی چھلانگ ۲۔ کلائی پکڑنا ۳۔ گولہ پھینکنا ۴۔ فٹ بال ان مقابلہ جات میں ۸۵ خدام نے حصہ لیا۔ اس کے علاوہ پیغام رسانی کا بھی مقابلہ ہُوا جس میں چار ٹیموں نے حِصّہ لیا۔

مجلسِ عرفان

مورخہ ۲۴ اور ۲۵ اکتوبر کو بعد نماز مغرب و عشاء نہایت ہی دلچسپ اور ایمان افروز مجلسِ عرفان منعقد ہوئی جس میں حضور پرنُور نے سوالوں کے جواب عطا فرمائے۔

مجلسِ شُوریٰ کا انعقاد

اجتماع کے تیسرے روز مجلس خدام الاحمدیہ کی شوریٰ منعقد ہوئی جس کا آغاز محترم امیر صاحب کی افتتاحی تقریر سے ہُوا شوریٰ میں کل چالیس ممبران شامل ہوئے۔ جبکہ انتیس (۲۹) زائرین نے کارروائی سُننے کا موقعہ حاصل کیا۔

اختتامی اجلاس

اجتماع کا آخری اجلاس مورخہ ۲۶ اکتوبر بعد نماز ظہر و عصر حضور ایدہ اللہ کی زیرِ صدارت شروع ہُوا۔ تلاوت قرآن کریم مکرم سلیم گیلانی صاحب نے کی اور نظم خالد محمود صاحب اور غلام سرور صاحب نے پڑھی۔ اس کے بعد نیشنل قائد صاحب مغربی جرمنی نے اجتماع کی رپورٹ پیش کی۔ پھر مقابلہ جات میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے اطفال و خدام کو حضور اقدس نے اپنے دستِ مبارک سے انعامات دیئے۔ اور بعد ازاں حضور نے خدام سے ولولہ انگیز خطاب فرمایا جس میں حضور نے اجتماع کی کامیابی پر اللہ تعالیٰ کے غیر معمُولی احسان کا ذکر فرمایا اور توقع سے بڑھ کر خدام کی حاضری پر اظہار خوشنودی فرمایا۔ پھر فرمایا۔ اس ملک کو دینِ حق کے لئے آپ نے فتح کرنا ہے۔ (دینِ حق کی اصطلاح میں فتح سے مراد دِلوں اور روحوں پر قبضہ ہے۔ اور حقیقت میں ہماری فتح سے مراد دُنیاوی فتح نہیں۔ حضور نے فرمایا۔ جرمن قوم میں (دینِ حق) قبول کرنے کی صلاحیتیں دیگر یورپی قوموں سے بہت زیادہ ہیں لیکن جب تک ہر احمدی فرد داعیاً الی اللہ نہیں بن جاتا اس وقت تک جرمنی کو احمدی بنا لینا ایک موہوم خیال ہے۔ اس لئے اپنے وجودوں میں حیرت انگیز تبدیلی کی ضرورت ہے۔

حضور کا یہ روح پرور خطاب تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہا خطاب کے بعد حضور نے عہد دہرایا۔ ازاں بعد حضور ایدہ اللہ کے ارشاد پر جرمن زبان میں بھی عہد دہرایا گیا۔ آخر میں حضور اقدس نے دُعا کروائی۔ اور خدام الاحمدیہ کا یہ اجتماع خدا تعالیٰ کے فضلوں اور برکتوں کے ساتھ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہُوا۔

سائیکل سوارانؔ

اجتماع کے موقع پر مجلس HERLESHAUSEN مغربی جرمنی کے تین خدام ۲۶۰ کلو میٹر کا فاصلہ تقریباً ۱۷ گھنٹے میں طے کر کے اور مجلس HOFBIEBER کے دو خدام ۱۶۰ کلو میٹر کا فاصلہ ۱۲ گھنٹے میں طے کر کے ناصر باغ پہنچے۔

آپ کی بیاض سے۔ آپ کی پسند

محمود اکبر ــــــــــ لاہور
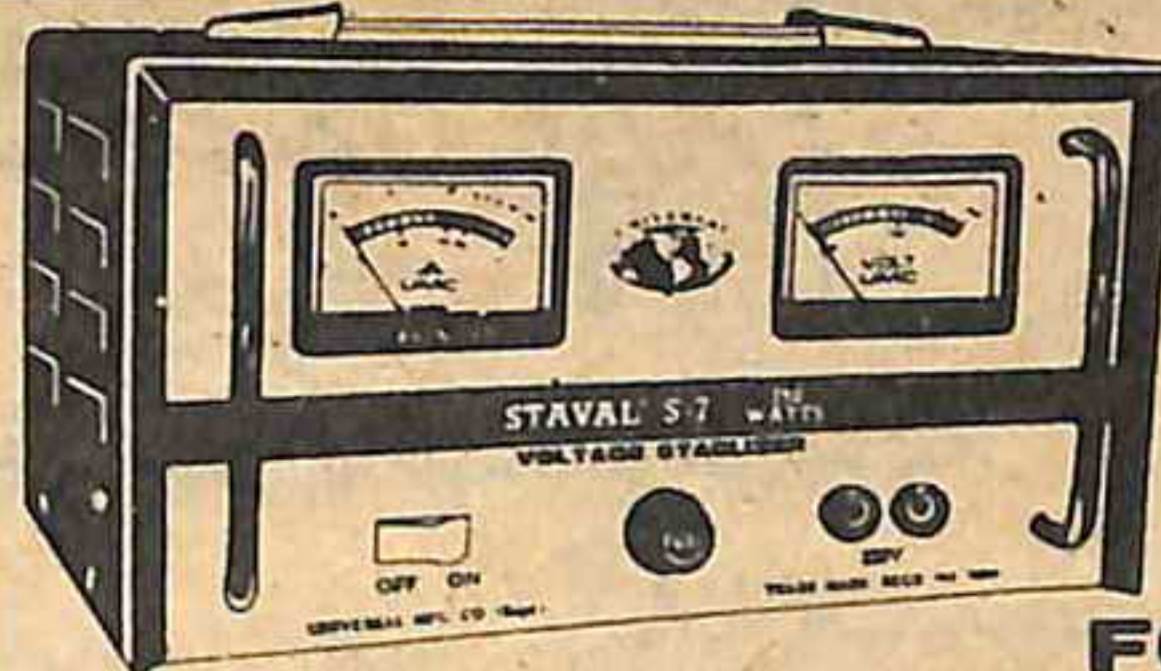
سائل ہو اور آ کے تہی دست لوٹ جائے
ایسا تو اے کریم ترا آستاں نہیں

خالد محمود انجم ــــــــــ بہاولپور

تری آہ شرر افشاں ستارے کر گئی پیدا
شب غم اب اندھیروں کی فراوانی نہیں ہوگی

نور احمد ــــــــــ بھلوال

پتھر کی خامشی سے بھی آواز آئے گی
پہلے کسی کو دل کی زباں سے پکار بھی

عبدالعزیز ــــــــــ سرگودھا

آندھیاں آئیں چھٹیں، طوفان آئے تھم گئے
ظلمتوں میں چاند بن کر تو چمکتا ہی رہا

رفاقت احمد ــــــــــ راولپنڈی

چھانی ہے خاک ہم نے بھی صحرائے سنجد کی
مجنوں کا نام ہو گیا قسمت کی بات ہے

امین الرحمان ــــــــــ پشاور

جس کو دیکھا ہے وہی تیرا شناسا نکلا
اس بھرے شہر میں کوئی تو ہمارا ہوتا

محمد ظفر اللہ ــــــــــ بھوانہ

موت کی رہ سے ملے گی اب تو دیں کو کچھ مدد
ورنہ دیں اے دوستو اک روز مر جانے کو ہے

عامر ارشاد ــــــــــ ربوہ

جو مضطرب ہے اسکی طرف التفات ہے
آخر خدا کے نام میں کوئی تو بات ہے

خلیل احمد ــــــــــ واہ کینٹ

لیل و نہار سے یہ غرض ہے اللہ کی
یعنی کرو تمیز سفید و سیاہ کی

عثمان احمد ــــــــــ ربوہ

عرش پر تھا تو احد فرش پہ احمد ٹھہرا
میم میں راز نہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

○

نرینہ اولاد سے محروم بے اولاد عورتوں کیلئے
دواخانہ حکیم نظام جان
حکیم انوار احمد جان
چوک گھنٹہ گھر
گوجرانوالہ
فون ۷۲۹۹۷
اقصیٰ چوک
ربوہ فون ۵۵۸
پوسٹ بکس
۲۲۲

UNIVERSAL
VOLTAGE STABILIZER
FOR
REFRIGERATORS
DEEP FREEZERS T.V. &
AIR-CONDITIONERS
یونیورسل الیکٹرونکس
۲۲- لیسین سٹریٹ
ہال روڈ- لاہور فون: ۶۱۷۶۵
۳۲۳۷۵۱

آپ کیا کھائیں؟

(۱) صرف وہ چیزیں کھائیے! جو آپ کو مرغوب ہوں، جنہیں آپ کا دل قبول کرتا ہو۔ اگر آپ کو کچی ترکاریاں پسند نہیں تو انہیں پسند کرنے کی کوشش نہ کیجئے۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کو کیا پسند ہے یا کیا ناپسند اس کا فیصلہ آپ کے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا۔

(۲) اچھا کھانا زیادہ تر پکانے والے کی مہارت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ عدم توجہی سے مزیدار چیزیں بھی بدمزہ ہو جاتی ہیں۔ ترکاریوں کو بہت سے پانی میں پکائیے اور اگر آپ پی سکتے ہیں تو یہ اضافی پانی پی لیجئے۔

(۳) اگر آپ پیسے خرچ کرنے کے باوجود فاقہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ غذا کھائیے جو ڈبوں میں بند ہو کر آتی ہے یا تیار حالت میں ملتی ہے۔ دکان دار ان کی غذائی افادیت کا اتنا خیال نہیں رکھتے جتنا آپ خود رکھ سکتے ہیں آجکل بازار میں بہت سی ایسی غذائیں ملتی ہیں، جو غذائیت سے عاری ہوتی ہیں۔

۴ بعض کھیتوں میں پیداوار تو زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن ان کھیتوں کی مٹی ان قدرتی نمکیات اور معدنیات کے اجزاء سے عاری ہوتی ہے جو ہماری صحت کے لئے ضروری ہیں۔ اور جو مٹی سے پودوں میں داخل ہو کر ہمارے جسم تک پہنچتے ہیں۔

۵ اگر آپ کے گھر کے پیچھے کچھ زمین خالی ہو تو اپنی ضرورت کی سبزیاں ترکاریاں خود اگائیے اس طرح آپ کے جسم کو ورزش کرنے کا موقع بھی ملیگا۔ بچے بھی اس ورزش میں شریک ہو سکیں گے۔ یہ غذائی اشیاء ہوں گی بھی زیادہ مفید۔

شکاگو یونیورسٹی کے تجربات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو زیادہ مشغول رکھتے ہیں وہ زیادہ دن تندرست رہتے ہیں اس دریافت کی تحقیقات سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔ ماہرین علم النفس نے معلوم کیا ہے کہ وہ لوگ جن کے پاس فاضل وقت بہت ہوتا ہے اور وہ اپنے آپ کو کسی کام میں مشغول نہیں رکھتے، دماغی اور جسمانی دونوں اعتبارات سے ان کی صحت کے زوال کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔ مرض سے مقابلے کی طاقت ایسے لوگوں میں کم ہوتی ہے اگر یہ باقاعدہ طور پر جسمانی خرابی میں مبتلا نہ ہوں۔ جب بھی انکو یہ خیال دامن گیر رہتا ہے کہ وہ بیمار ہیں۔ وہ درد و کرب اور خرابیٔ صحت کے مراق میں مبتلا رہتے ہیں کیوں؟ یہ صرف حوصلے کی بات ہے۔ ماہرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حوصلہ صحت کے عوامل میں نہایت ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ کاہلی، سستی اور بے سود تگ و دو سے زیادہ صحت کے رس کو نچوڑ لینے والی کوئی دوسری شئے نہیں ہے۔

دماغی امراض کے ماہر ڈاکٹر ڈیوڈ فنک کہتے ہیں کہ ہر قسم کے شواہد سے پتا چلتا ہے کہ سرگرم اور مستعد زندگی بسر کرنا صحت کے بیمے کی بہترین صورتوں میں سے ہے۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ مشین اتنی جلد گھستی نہیں ہے جتنی جلد زنگ کھا جاتی ہے۔ انسان کے لئے یہ بات مشین سے بھی زیادہ صحیح ہے۔

(مرسلہ فخر الحق شمس)

آخری صفحہ

(مرسلہ: سعید اللہ خان صاحب)

حضرت ضرارؓ نے زرہ اتار دی

حضرت ضرارؓ ایک جنگ میں شامل تھے قیصر کی فوجوں کے ساتھ لڑائی ہو رہی تھی کہ اس کی طرف سے ایک جرنیل نکلا جس نے بہت سے مسلمان سپاہی مار ڈالے۔ حضرت ابو عبیدہؓ جو اسلامی فوج کے کمانڈر انچیف تھے۔ انہوں نے ضرارؓ کو بلایا اور کہا "اب تم اس جرنیل کے مقابلہ میں جاؤ" وہ نکلے اور جرنیل کے مقابلہ کے لیے کھڑے ہوئے۔ مگر یکدم انہوں نے اپنی پیٹھ موڑی اور خیمہ کی طرف بھاگ پڑے اُن کا بھاگنا تھا کہ اسلامی لشکر میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی اور عیسائیوں نے خوشی سے نعرہ بلند کیا کہ اتنا بڑا آدمی ہمارے جرنیل کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر میدان سے بھاگ نکلا ہے۔

حضرت ضرارؓ جب واپس بھاگے تو کمانڈر انچیف نے ایک شخص کو حکم دیا کہ جاؤ ضرار سے پتہ لو کہ کیا ہوا ہے۔ وہ کیوں میدان سے بھاگا ہے وہ شخص اُن کے پاس پہنچا تو اس وقت ضرار اپنے خیمہ سے نکل رہے تھے۔ اُس شخص نے کہا کہ "ضرار آج تم نے سب مسلمانوں کو ذلیل کر دیا ہے اور سب میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی ہے کیونکہ تم اس جرنیل کے مقابلہ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ بتاؤ تمہیں کیا ہوا تھا اور تم کیوں بھاگے"؟ ضرارؓ نے کہا "کہ بات دراصل یہ ہے کہ جب میں اس جرنیل کے مقابلہ کے لیے نکلا اور اس کے سامنے کھڑا ہوا تو یکدم مجھے یاد آیا کہ میں نے زرہ بکتر پہنی ہوئی ہے ..... زرہ پہننے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ تلوار بھی جسم پر اثر نہ کرے اور نیزہ بھی جسم پر اثر نہ کرے وہ لوہے کی ایک صدری ہوتی ہے اور اگر اچھی مضبوط زرہ ہو تو تلوار نہ صرف اُسے کاٹ نہیں سکتی بلکہ زرہ پر لگنے کی وجہ سے خود خراب ہو جاتی ہے تو انہوں نے کہا کہ آج صبح میں نے زرہ پہن لی تھی جو اس وقت بھی میں نے پہنی ہوئی تھی۔

جب میں اُس کے سامنے ہوا تو چونکہ یہ جرنیل نیزہ زن اور تلوار چلانے کا بڑا مشاق ہے اس لیے میرے دل نے کہا اے ضرارؓ کیا تجھے خدا تعالیٰ کی ملاقات سے اتنی نفرت ہے کہ اس بہادر جرنیل کے سامنے تو زرہ پہن کر کھڑا ہوا ہے تاکہ تو مارا نہ جائے اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ اگر آج میں مارا گیا تو میرے لیے جہنم کے سوا اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا کیونکہ خدا کہے گا کہ تجھے میرے ملنے کی خواہش نہیں تھی۔ اگر خواہش ہوتی تو زرہ پہن کر کیوں لڑتا۔ چنانچہ میں دوڑا اور اپنے خیمہ میں آیا تاکہ زرہ اُتار دوں اور اگر اس لڑائی میں مارا جاؤں تو اللہ تعالیٰ سے خوشی اور بشاشت کے ساتھ ملوں
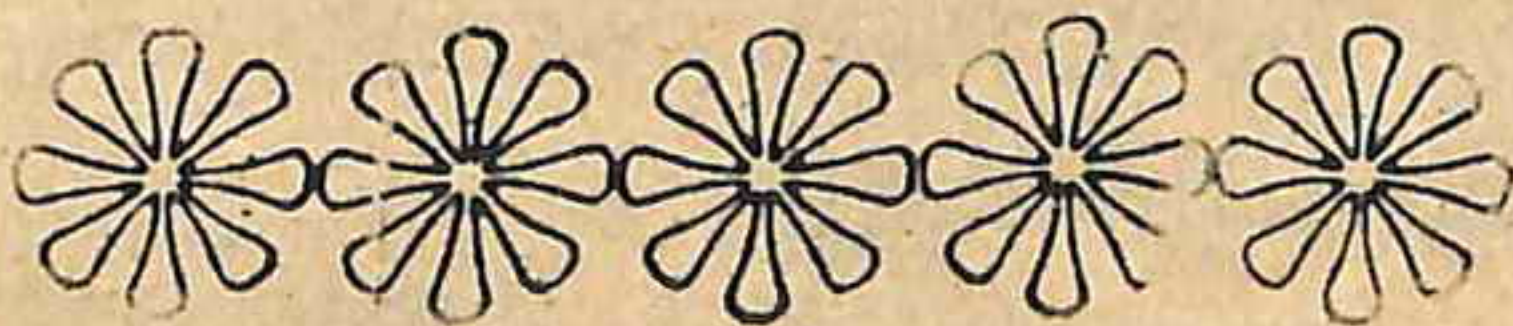
Monthly KHALID RABWAH
Regd. No. L6830 EDITOR ABDUL SAMEE KHAN JANUARY 1987